

مفت خور
کتاب و سنت کی روشنی
میں

مؤلف

آیة اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادق تہرانی

مفت خور

فقیہ قرآنی کے استدلالی مباحث

اقتصادی مسائل پر ایک قرآنی تنقید

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادق

تہرانی (قدس سرہ الشریف)

فہرست مطالب

عنوان

صفحہ

۴	مقدمہ.....
۵	مفت خوری
۷	زمین خوری
۸	زمین خوری کے بارے میں آیات کی تحقیق:
۱۲	روایات کی تحقیق.....
۱۲	تحجیر {دیوار کھڑی کرنا}.....
۱۳	احیاء {زندہ کرنا}.....
۱۴	تعمیر {آبادکاری}.....
۱۷	ربا
۲۳	خمس و زکات.....
۲۹	مضار بہ
۳۰	طلاق رجعی
۳۱	اموال غیر منقولہ سے بیوی کی میراث پانا.....
۳۶	جامعۃ القرآن کی بعض کارگزاریاں.....
۴۰	مؤلف کی سوانح حیات

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين به نستعين انه خير ناصر و معين و الصلوة و السلام على اشرف الانبياء و المرسلين حبيب اله العالمين ابى القاسم المصطفى محمد صلى الله عليه و سلم و آله الطاهرين و السلام علينا و على عباد الله الصالحين۔

مقدمہ

پوری تاریخ میں گونا گوں انسانوں نے رنگا رنگ آرزووں اور خواہشات کے ساتھ عرصہ وجود میں قدم رکھا۔ ایسے انسان جنہوں نے اپنی پوری زندگی اپنے اہداف تک پہنچنے کے لئے صرف کر دی اور ہر ایک اپنے اہداف و مقاصد میں ایک دوسرے سے ممتاز تھا۔ لیکن ان میں سے اکثر کا گمان یہ تھا کہ حق پر ہیں اور دوسرے باطل پر ہیں۔ ایک گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر راضی اور خوش ہے اور جس چیز کو دوسروں کے پاس دیکھتا ہے اسے ناپسند اور برا خیال کرتا ہے کہ کیونکہ لوگ اس بات کے دشمن ہوتے ہیں جسکو وہ نہیں جانتے اور جاننا بھی نہیں چاہتے۔

لیکن خداوند متعال جس نے تمام انسانوں کو نعمت وجود اور اس کے لوازم سے آراستہ کیا ہے، ایسا نہیں ہے۔ وہ پاکیزگی اور نیکی کو پسند کرتا ہے اور دھوکہ دھڑی اور برائی کو ناپسند کرتا ہے، اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ بدی اور یہ نیکی کس جماعت، کس گروہ اور کس پارٹی میں پائی جاتی ہے جو چیز اس کے نزدیک اہمیت رکھتی ہے خود برائی اور نیکی ہے کہ اس کے لئے سلب و ایجاب کی اہمیت رکھتی ہے۔

اس درمیان بہت سارے انسان یہ جاننے کے باوجود کہ انہوں نے برائی اور نیکی خدا کی سلبی و ایجابی مشیت ہے اپنی خواہش کو خدا کی چاہت پر مقدم کرتے ہیں۔ اور باوجودیکہ خداوند عالم نے ان کی زندگی کے خطوط معین کئے ہیں، لیکن انہوں نے خدا کو بالکل سے فراموش کر دیا ہے اور اپنی خواہشات، میلانات اور رجحانات کے مطابق زندگی میں حکم لگاتے اور فیصلہ کرتے ہیں۔

ان آدمیوں میں سے ایک گروہ کی داستان بہت ہی دلچسپ ہے انہوں نے باوجودیکہ اپنے نفسانی خواہشات کو مقدم رکھا ہے لیکن اس طرح اظہار کرتے ہیں کہ گویا ان کی خواہش وہی خدا کی خواہش ہے۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ پورا زور صرف کر دیا کہ دوسروں کو بھی قبول کرائیں کہ یہ وہی چیز ہے جس کا خدا ان سے مطالبہ کرتا ہے۔

بدی و نیکی کی بھی مختلف قسمیں ہیں کہ ان میں سے ہر موضوع جداگانہ بحث کا اقتضاء کرتا ہے۔ فساد اور تباہی کا ایک راستہ مختلف طریقوں سے دوسروں کے اموال کو لوٹنا اور غارت کرنا ہے جو انسان کی زندگی میں مختلف اور کبھی پیچیدہ روشوں سے انجام پاتا ہے۔ لوگوں کے اموال کو ہڑپ کرنے والے مختلف لباسوں میں نئے نئے طریقوں اور مختلف راہوں سے وارد ہوتے ہیں اور ثروت اندوزی کرتے ہیں جس کے لئے انہوں نے کوئی زحمت بھی نہیں اٹھائی ہے اور اس کے علاوہ وہ قدرت و طاقت، مکر و حیلہ اور دھوکہ دھڑی کا سہارا لیتے ہیں۔ یا اگر زحمت برداشت کی بھی ہے تو ان کی معمولی زحمت شرعی و عرفی نہیں ہے۔ اس طرح سے ایسے افراد اجتماعی فقر اور ناموزوں طبقاتی اختلاف کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ بسا اوقات ایک گروہ شریعت میں انحراف ایجاد کر کے ثروت اندوزی میں مصروف ہے اور دنیا میں زور، زر، زیور اور دھوکہ اور فریب کا اسیر ہے۔

اس گروہ نے جو اپنے اس کام سے دوسروں کے لئے شرعی توجیہات کے ہمراہ چوری کا راستہ ہموار کیا اور یقینی طور پر بہت سارے فتنوں کی بنیاد رکھنے والے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ عذاب میں برابر کے وہ لوگ بھی شریک ہیں جو ان کے جھوٹے اور باطل نظریات سے جرم اور مفت خوری کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس کتابچہ میں ہماری کوشش یہ ہے کہ اس حیلہ گر گروہ کے فریب اور نیرنگ کو بخوبی آشکار کریں تاکہ شاید اپنے ناشائستہ اعمال سے باز آ جائیں اور راہ معرفت و توبہ اختیار کر لیں اور دوسرے افراد بھی ان کے ناپسندیدہ اعمال جنکو بہترین قالب میں پیش کیا جا رہا ہے سے فریب نہ کھائیں۔

مفت خوری

مفت خوری کیا ہے؟ کیوں وجود میں آئی؟ کس شخص یا کن لوگوں اس کو وجود بخشا ہے؟ انہوں نے کس طرح خود کو اجازت دی کہ لوگوں کے اموال کو بلا زحمت {یا تھوڑی زحمت سے} ہتھیا لیں؟ کیا انہوں نے فرامین الہی اور احکام خداوندی کو فراموش کر دیا ہے؟ کس طرح اس برے کام کو ختم کیا جا سکتا ہے؟

ہم کتاب کے اس حصہ میں ان سوالوں کے جواب دیں گے تاکہ آئندہ بحثوں کے لئے ایک مقدمہ ہو۔

مفت خوری: دوسروں کے مال کو اس کے ہم پلہ کوئی عمل انجام دینے بغیر لینا، مفت خوری کہلاتا ہے، خواہ اس کے مقابلے میں اس مال کی قدر و قیمت کے برابر کوئی کام انجام دے یا اصلاً کوئی کام ہی انجام نہ دے، اسی طرح سے جو کام کہ شرعی لحاظ سے بے ارزش محسوب ہوتا ہے مفت خوری کہلاتا ہے جیسے جوا، شرط بندی، چوری، سود خوری اور کم فروشی وغیرہ، بلا شک و تردید مفت خوری دوسرے گناہوں کی طرح ہر انسان کے اندر ایک شیطانی اصل رکھتی ہے۔ ہر انسان کے اندر دو طاقتیں جنگ کرتی رہتی ہیں: طاقت خیر اور طاقت شر۔ خیر کی طاقت بلند مدت اہداف و مقاصد کے لئے جنگ کرتی ہے۔ اخروی سعادت کے لئے پیکار کرتی ہے، لیکن شر کی طاقت کوتاہ مدت اہداف جیسے جسمانی لذت اور مادی آسائش کے لئے جنگ کرتی ہے۔ بنا بر این انسانوں کا مستقبل اس سے وابستہ ہے کہ آخر کار ان دونوں طاقتوں میں کونسی طاقت دوسرے پر غالب آتی ہے۔ لہذا مفت خوری انسان کے اندر ان دونوں قوتوں کی جنگ کا نتیجہ ہے کہ افسوس اکثر آدمیوں میں یہ جنگ شر کی برتری پر ختم ہوتی ہے۔ انسان کو مادیات، نفس امارہ، شیطان اور دنیا کی کشش اسیر اور قیدی بنا لیتی ہے اور وہ ان کا قیدی بن کر رہ جاتا ہے۔ البتہ خداوند عالم کی خلقت میں نہ کوئی نقص ہے نہ اس کی ہدایت میں کوئی کمی ہے۔ لیکن خداوند عالم نے دنیا کو دارالامتحان قرار دیا ہے اور صراط مستقیم کی بھی سب کو رہنمائی کی ہے اور واضح طور پر اپنی حجت بیان اور تمام کی ہے۔ اب ہماری آج کی اور کل کی دنیا اس طرح کی مشکلات اور گرفتاریوں میں کیوں مبتلا ہے ایک دوسری بحث ہے جس سے ہم نے دوسری کتابوں میں بحث کی۔ لیکن پروردگار عالم نے ان گرفتاریوں اور مشکلوں سے نجات اور رہائی کے لئے راہ چارہ بھی قرار دی ہے جو نفس امارہ، شیطان اور دنیا طلبی سے سخت اور طاقت فرسا جنگ کرنے سے عبارت ہے اور انجام کار فطرت کی طرف بازگشت ہے کہ ہرگز اس میں تبدیلی ممکن نہیں ہے، اگرچہ شیطان گناہوں کے غبار سے اس کو پہلی حالت سے خارج کر سکتا ہے، لیکن اصل فطرت ہرگز ختم نہیں ہوتی اور تبدیل پذیر نہیں ہے۔ **فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ**۔

ملحوظ رہے کہ مفت خوری، دین، عقل اور ہر فطرت سلیم کی رو سے مذموم و ناپسندیدہ ہے اور دین مبین اسلام کی نظر میں تمام حالات اور پہلوؤں سے حرام ہے اور اس میں ہرگز کوئی استثناء نہیں ہے۔ بالخصوص اگر اس کو "کلاہ شرعی" {شرعی ٹوپی} جیسے عناوین کے تحت حلال شمار کریں اور اس طرح سے شارع مقدس کو معاذ اللہ ٹوپی پنہانے والا، حیلہ گر و فریب کار ظاہر کریں اور حرام الہی کو حلال ظاہر کریں۔

بعض ان اموال کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جو مفت خوری کی راہ سے حاصل ہوئے ہیں چوری، جوا، دھوکہ دھڑی، شرط بندی، سود خوری، زمین خوری اور کم فروشی یا گران فروشی جیسے عناوین کا نام لیا جا سکتا ہے جو کلی یا جزئی طور پر شرعی اور عادلانہ سعی و کوشش کے بغیر حاصل ہوتے ہیں۔ اب ہمارا ارادہ ہے کہ ہم ایک ایک کر کے ان عناوین کو بیان کریں اور ان عناوین کے ذیل میں اختصار کے ساتھ کچھ مطالب بیان کریں۔

۱۔ زمین خوری

زمین خوری ان بزرگ ترین مظالم میں سے ایک ہے جو طول تاریخ میں مفت خوروں کی ایک جماعت نے بشریت پر ڈھایا ہے، جرأت کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مفت خوری طبقاتی اختلاف، ثروت کی ظالمانہ ذخیرہ اندوزی اور اکثریت عوام کے فقر و فلاکت کا اہم ترین سبب ہے۔ البتہ یہ نکتہ بھی شایان ذکر ہے کہ زمین خوری کی مختلف قسمیں ہیں اور زمین خوری اپنی تمام انواع و اقسام کے ساتھ بلا استثناء حرام ہے اور عقوبت الہی کا باعث ہے۔ اس حصہ میں درج ذیل سوالوں کے قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیلی جواب دیں گے۔ اصولاً زمین کس کی ہے؟ زمین میں کس کو حق تصرف حاصل ہے؟ کون زمین سے بہرہ مندی کی اولویت رکھتا ہے؟ اس صورت میں کہ کوئی زمین کو آباد کرے زمین اس کی ملکیت ہوگی یا نہیں؟ اگر کوئی زمین کو آباد کرنے کے بعد اس کو ترک کر دے اور زمین کی ویرانگی اور تخریب کا سبب ہو پھر بھی اس زمین میں حق تصرف یا حق اولویت رکھتا ہے یا نہیں؟

اساسی طور پر مال یا کسی دوسری چیز سے نفع اٹھانا انسان کے اختیار میں دو طرح کا ہے: ۱۔ پورا کا پورا مال تلاش و کوشش سے حاصل ہوا ہے۔ ۲۔ کچھ مال آدمی کی تلاش و کوشش سے حاصل ہوا ہے اور بقیہ حصہ سب کا ہے۔

مثال کے طور پر: ایک زمین نظر میں رکھیں جو بنجر بے حاصل اور سب کی ہے۔ ایک شخص اس کو اپنی ضرورت کے بقدر اپنی سعی و کوشش سے آباد کرتا ہے یا اس زمین پر ایک گھر بناتا ہے۔ اس بنیاد پر وہ زمین اس کے اختیار میں اور اس سے مخصوص ہو جاتی ہے، لیکن کیا اصل زمین اس کی خصوصی ملکیت ہو جاتی ہے؟ دقیق تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کا زندہ اور آباد کرنے والا قطعی طور پر اپنے کام اور فعل کا تنہا صاحب اور مالک ہے اور اپنے کام اور فعل کا نتیجہ بھی دریافت کرے گا اور وہ چیز اس کی تعمیری محنت کا ثمرہ ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یا کسان کہ

زمین پر آشکار و ہویدا ہوتا ہے کہ وہی محصول کاشتکاری ہے یا عمارت کہ اس زمین پر اپنی محنت سے تیار کی ہے، لیکن خود زمین بھی کاشتکار وغیرہ کے کام اور زحمتوں کا نتیجہ و ثمرہ ہے؟ کیا کاشتکار نے اس زمین کو ایجاد کیا ہے؟ کیا کاشتکار اس کی پیدائش اور خلقت میں حصہ دار ہے یا یہ کہ خود اس کا خالق ہے؟ مسلم ہے کہ ان تمام سوالوں کا جواب منفی ہے، نہ زمین کاشتکار کی زحمتوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے نہ اس کی ایجاد میں اس کا کوئی نقش ہے، بلکہ خداوند عالم کی خلقت کا نتیجہ ہے اور بس۔

خطا سے عاری عقل بھی حکم کرتی ہے کہ ہر شخص اس چیز کی ملکیت کا حق رکھتا ہے جس کے لئے اس نے سعی و کوشش کی ہے البتہ مذکورہ مثال میں زمین کے مانند نہیں؛ کیونکہ اس نے زمین کی ایجاد میں ہرگز کوئی زحمت و کوشش نہیں کی اور اصولی طور پر اس کے لئے یہ چیز ممکن بھی نہیں ہے۔ بنا بر این وہ زمین کی ملکیت کا حقدار نہیں ہے۔

زمین خوری کے بارے میں آیات کی تحقیق:

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۚ
اور یہ کہ انسان کے لئے اس کی سعی و کوشش کے حاصل کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اس کی کوشش کا نتیجہ عنقریب نظر آئے گا، اس کے بعد اس کو مکمل جزا ملے گی۔

اس آیت کی تحقیق سے {جو تمام اقتصادی مباحث میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے اور اور آیت محور ہے} اس گرانقدر نکتہ تک رسائی ہوتی ہے کہ انسانوں کو صرف ان چیزوں کی مالکیت کا حق حاصل ہے، جس کے لئے انہوں نے سعی و کوشش کی ہے۔ یہ اصل گذشتہ شریعتوں میں بھی عمومی اور محوری قانون کی حیثیت سے تھی، جیسا کہ اسی سورہ کے آیات نمبر ۳۵، ۳۶، ۳۷ اور ۳۸ سے آشکار ہوتا ہے: **أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهَوْا يُرَىٰ أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَىٰ**

أَلَا تَذَرُّ وَازِرَةً وَّرَزَّ أُخْرَىٰ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۚ

کیا اس کے پاس علم ہے، چنانچہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے؟ یا جو کچھ موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اس سے باخبر نہیں ہے؟ نیز ابراہیم کے صحیفوں میں تھی جنہوں نے

□ ۲۔ نجم/ ۳۱، ۳۰، ۳۹۔

□ ۳۔ نجم/ ۳۵-۳۹۔

{اپنے عہد کو} پورا کیا کہ کوئی بار اٹھانے والا کسی دوسرے کے گناہوں کا بار نہیں اٹھائے گا، اور یہ کہ انسان کے لئے صرف اتنا ہی ہے جتنا اس نے سعی و کوشش کی ہے۔

تنہا یہی آیات یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ زمین خوری تمام حالات اور جوانب سے حرام ہے اور وہ لوگ جو زمین کو آباد اور زندہ کرتے ہیں زمین کے اصلی مالک نہیں ہوتے ہیں بلکہ صرف اس مال اور ثمرہ و محصول کے مالک ہیں جس کے لئے زحمت اٹھائی ہے، بہت اہم نکتہ ہے جس پر زور دینا مقصود ہے وہ آسمانی شریعتوں میں کام کی اہمیت ہے، کیونکہ شریعت ابراہیمی بالخصوص شریعت محمدی میں کام کاج اور سعی و کوشش کو بہت اہمیت دی گئی ہے:

۱. يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسٰنُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلْتِ بِهٖۙ.

اے انسان تو اپنے پروردگار کی طرف جانے کی کوشش کر رہا ہے تو ایک دن اس سے ملاقات کرے گا۔

۲. وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِۙۙ.

آپس میں ایک دوسرے کے مال کو مفت اور ناروا طریقے سے نہ کھاؤ۔

۳. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجْرَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْۙۙ.

اے صاحبان ایمان آپس میں ایک دوسرے کے مال کو مفت اور ناروا طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ ایک دوسرے کی رضامندی سے معاملہ انجام پایا ہو۔

یہ آیات ہمیں جو پیغام دیتی ہیں یہ ہے کہ ہرگز مال کو مفت اور ناروا طریقے سے حاصل نہیں کرنا چاہئے مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت اور بیع و شراء انجام پائے۔ تنہا رضایت طرفین کافی نہیں ہے بلکہ عدالت کی رعایت بھی ضروری ہے۔ خداوند عالم نے اپنے بندوں سے مفت خوری کا کبھی مطالبہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کو سعی و کوشش کرنے کے لئے کہا ہے اور ان کو کام اور سعی و کوشش کرتے ہوئے پسند کرتا اور دوست رکھتا ہے۔ اس کو سستی و کاہلی اور بے حوصلگی بالکل پسند نہیں ہے۔

۳. هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًاۙۙ.

□ ۴۔ انشقاق/۶

□ ۵۔ بقرہ/۱۸۸

□ ۶۔ نساء/۲۹

وہ خدا وہ ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی ہے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔

۵۔ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ^۱۔

اس نے زمین کو انسانوں کے لئے وضع کیا ہے۔

ان دو آیتوں اور ان کی مانند دوسری آیات کی رو سے زمین اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس نے لوگوں کے ایک گروہ سے مخصوص قرار نہیں دیا بلکہ تمام انسانوں کے لئے یہ ایک الہی عطا و بخشش ہے۔ ان آیات کی رو سے زمین ہرگز کسی ایک گروہ سے مخصوص نہیں ہے، اسی طرح زمین کا آباد کرنا جو کام کرنے والے کے کام کا ثمرہ اور نتیجہ ہے نہ خود زمین۔

۶۔ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَأَسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا^۲۔

وہ خدا وہ ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمکو آباد کیا۔

آبادی جسکی بنیاد خدا نے دنیا میں ڈالی ہے مطلقاً تفضلی استعمار {آبادکاری} ہے یعنی اپنے فعل کے عوض کوئی اجرت نہیں چاہتا اور خود بھی اس سے کوئی نفع اور فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ تمام فوائد اور منافع آباد ہونے والوں کو عطا کرتا ہے۔

اس کے بعد نسبی تفضلی آبادکاری یا عادلانہ آبادکاری جو لوگوں کے لئے ان کی اجرت سے زیادہ یا ان کی اجرت اور کام کے بقدر ہے، اس طرح سے کہ اگر کام سے زیادہ اجرت دیں فاضلانہ نسبی، اور اگر اجرت اور کام کے برابر ہے عادلانہ ہے، پھر ظالمانہ آبادکاری {استعمار} کہ آبادکاری کے لئے دوسروں کی سعی و کوشش اور کام کا عوض یا اجرت اور مزدوری کم دیتے ہیں کہ نسبی ظالمانہ ہے یا بالکل ہی اجرت اور مزدوری نہیں دیتے ہیں کہ مطلق ظالمانہ اور بیکاری و مفت خوری ہے۔

اس آیت کی رو سے خداوند عالم نے انسان کے زمین میں آباد اور مستقر ہونے کے عوض اس سے اس کی آبادکاری کا مطالبہ کیا ہے۔ لہذا آدمیوں کی اپنی طاقت و قدرت کے بقدر سعی و کوشش کرنا ذمہداری ہے اور کام کاج میں مشغول ہوں اور مفت خوری نہ کریں کیونکہ عقل و شرع نے اس سے روکا ہے اور فطرت سلیم اس کو پسند نہیں کرتی ہے۔

□ ۷۔ بقرہ/۲۹

□ ۸۔ رحمن/۱۰

□ ۹۔ ہود/۶۱

۷۔ وَعَايَةُ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَغْنَمَةُ أَحْيَيْتُهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجْرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۱۰

اور مردہ زمین ان کے لئے آیت اور برہان ہے کہ اس کو زندہ کیا ہے اور اس سے دانہ برآمد کیا ہے جس میں سے کھاتے ہیں اور اس میں خرما اور انگور کے باغات پیدا کئے ہیں اور چشمے جاری کئے ہیں تاکہ یہ لوگ اس کا پھل اور اپنے ہاتھوں کی کمائی کھائیں۔

اس آیت کی رو سے مردہ زمین میں جو آباد ہوئی ہے، صرف اس کے پھلوں سے استفادہ کا امکان ہے نہ زمین کی ملکیت نہ اس کی خرید و فروخت، " لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ "

۸۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۱۱

اے لوگوں جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال اور پاک کھاؤ۔

جیسا کہ واضح ہے زمین خوری نہ حلال ہے نہ پاک؛ کیونکہ لوگوں کی زحمتوں اور مشقتوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کا صاحب و مالک ہونا اور اس کی خرید و فروخت کرنا بتمام معنی آشکارا ظلم ہے۔ اور تمام حالات اور پہلوؤں سے حرام ہے اور مال کے ذریعہ ثروت اندوزی کا باعث ہے جس کے لئے زحمت نہیں اٹھائی ہے اور دوسروں کو محروم کیا ہے۔

۹۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۱۲

اے صاحبان ایمان اپنی پاکیزہ کمائی سے اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے پیدا کیا ہے اس میں سے انفاق کرو اور خبردار خراب اور ناپاک مال کو انفاق کے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا جبکہ اگر یہ مال تم کو دیا جاتا تو اس کی نسبت آنکھ بند کئے بغیر برگز نہ لیتے۔

آیات کی تحقیق کے بعد اس نکتہ کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ محنت کی کمائی بعض موارد میں خداوند عالم کی جانب سے تخصیص خوردہ ہے جیسے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶۷ جس کا ذکر ماقبل کی سطروں میں گذرا۔

۱۰۔ ۳۳-۳۵

۱۱۔ بقرہ/۱۶۸

۱۲۔ بقرہ/۲۶۷

دیگر موارد سے قوانین ارث و وصیت کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ انفاق کی بحث میں ان شرائط کی رعایت ہونی چاہئے جو اس میں معتبر ہیں کہ اس صورت کے علاوہ اس کو انفاق کہنا درست نہیں ہے۔ مثلاً انفاق کے شرائط سے اجتماعی مصلحت کی رعایت ہے۔ اسی طرح اس ذاتی فقر و تنگدستی جو مورد انفاق قرار پائی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس اصل کی بنیاد پر استحقاق تین طرح کا ہوتا ہے: ۱۔ حلال کام کے نتیجہ میں کہ اس کی اجرت اور مزدوری کا استحقاق ہوتا ہے۔ ۲۔ علمی کام اور اسلامی تبلیغاتی کے نتیجہ میں کہ مالی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بالکل وقت نہ نکلتا ہو، کہ اس صورت میں سہم امام سے اس کی تلافی ہونی چاہئے۔ ۳۔ آدمی کا حلال کام سے عاجز و معذور ہونا یعنی ایسا حلال کام کرنے سے معذور و عاجز ہے جس سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرے۔

روایات کی تحقیق

روایات اور احادیث قطعہ میں احیاء زمین اور اس کو آباد کرنے کی بحث مورد تحقیق قرار پائی ہے۔ احادیث میں ۱۔ تحجیر {دیوار کھڑی کرنا} ۲۔ احیاء زمین ۳۔ تعمیر و آبادکاری جیسے معیاروں کی بات موجود ہے ان معیاروں میں سے ہر ایک معیار کو اولویت اور حق تصرف کے لئے معیار جانا گیا ہے۔ البتہ ایک فرق کے ساتھ ان کے درمیان ذکر ہوئی جو اولویت کی شدت و ضعف ہے؛ کیونکہ تحجیر ایک ضعیف حق تصرف کو ثابت کرتی ہے؛ احیاء، تحجیر سے قوی تر اولویت کو اور آخر میں زمین کی تعمیر و آبادکاری ہے جو قوی ترین اولویت سے بہرہ مند ہے۔ اب ہم روایات کے ان تین دستوں کی تحقیق کر رہے ہیں اور قصد رکھتے ہیں ثابت کریں کہ دیوار کھڑی کرنے، زمین کو زندہ کرنے اور اس کو آباد کرنے سے اشخاص کے لئے صرف حق اولویت و تصرف ثابت ہوتا ہے نہ ملکیت زمین۔

تحجیر {دیوار کھڑی کرنا}

سمرہ بن جندب کی روایت میں پیغمبر سے نقل ہوا ہے کہ: "من احاط حائطاً علی ارض

فہی لہ" ۱۳۔

□ ۱۳۔ مستدرک الوسائل، ج ۱۴، ص ۱۱۱؛ عوالی اللالی، ج ۳، ص ۳۸۰۔

یہ دیوار کھڑی کرنا حقیقت میں ان زمینوں کو آباد کرنے کے لئے ایک مقدمہ ہے کہ ان زمینوں میں باغ لگانا طے پایا یا عمارت تعمیر کی جائے۔ بنا بر این مزرعہ {کھیت} اور مزرعہ جیسی چیزوں کے لئے دیوار کھڑی کرنے جیسے مقدمہ کی ضرورت نہیں ہے، اس ترتیب سے سہ گانہ مراحل دوگانہ مراحل میں خلاصہ ہوتے ہیں، یعنی پھر تحجیر کے وہاں پر کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔

مذکورہ حدیث میں ملاحظہ کیا کہ پیغمبر نے حق اولویت کو ثابت کیا ہے ان لوگوں کے لئے زمین کے ارد گرد دیوار کھڑی کی ہے گرچہ اس حدیث میں "فہی لہ" کی عبارت موجود ہے جو مالکیت پر دلالت کر رہی ہے لیکن بکثرت قرآنی اور غیر قرآنی دلائل و شواہد کے مطابق "فہی لہ" سے آپ کی مراد اثبات حق اولویت اور حق تصرف ہے جیسا کہ اس کی بحث آیات گذشتہ میں گزر چکی ہے کہ انسان صرف اس چیز کا مالک ہے جس کے لئے اس نے سعی و کوشش کی ہے۔ اسی طرح المبسوط میں بعنوان موید شیخ طوسی کے قول کو نقل کیا جا سکتا ہے کہ تحریر فرماتے ہیں: اگر کسی نے کسی زمین کا احاطہ کیا اور فروخت کر دیا، علماء شیعہ کا اجماع ہے کہ یہ بیع باطل ہے اور اگر کسی نے دیوار کھڑی کرنے اور احاطہ کرنے کے بعد زمین کے احیاء کرنے کو تاخیر میں ڈال دیا تو یا اس زمین کو زندہ کرنے کے لئے مجبور کریں گے یا یہ کہ اسے زمین کو واپس لوٹانے کے لئے مجبور کریں گے۔

احیاء {زندہ کرنا}

دو حدیث میں پیغمبر سے منقول ہے: "ممن احیا ارضا میتة فہی لہ و لیس لعرق ظالم حق" ^{۱۴}۔ جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے اس زمین سے بہرہ مند ہونا اور فائدہ اٹھانا اس کا حق ہے اور کسی ظالم کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔

اور اسی طرح "من احیاء میتة فله اجر فیہا و ما اكلت الدواب منه فہو صدقة لہ" ^{۱۵}۔ جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے اس زمین سے فائدہ اٹھانا اس سے مخصوص ہے اور جو کچھ حیوانات اس سے کھا لیں اس کے لئے صدقہ محسوب ہوتا ہے۔

□ ۱۴۔ مستدرک، ج ۱۴، ص ۱۱۱۔

واحد فرق جو ان دونوں احادیث میں اور حدیث تحجیر میں عبارت "فہی لہ" کے درمیان ہے وہ حق تصرف اور حق اولویت کی شدت اور ضعف میں ہے کیونکہ حق اولویت احياء کے مرحلہ میں زیادہ ہے۔

ایک دوسری روایت عبد الرحمن بن ابی عبد اللہ امام صادق {ع} سے نقل کرتے ہیں: "من احیا مواتاً فہی لہ"^{۱۶}۔ جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ زمین اس کی ہے۔ زمین کا زندہ کرنا حقیقت میں اس کی آبادکاری کا مقدمہ ہے کہ زمین کی استعداد کے لحاظ سے اس کا زندہ کرنا بھی متفاوت ہے۔ مثال کے طور پر: چراگاہ کے لئے زمین کا زندہ کرنا پستی و بلندی کے ہموار کرنے کا محتاج نہیں ہے صرف پانی فراہم کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ ٹیم کی زمین کی صورتحال مختلف ہے لیکن زراعتی زمین یا باغ کے لئے بہت سارے موارد میں زمین کو ہموار اور مسطح کرنے سنگلاخ کو ختم کرنے اور کنواں نالیاں وغیرہ کھودنے کی ضرورت ہے، زمین کا عمارت بنانے کے لئے احياء کرنا بھی خاص مقدمات کا متقاضی ہے۔

تعمیر {آبادکاری}

بعض روایات میں زندہ کرنا اور آباد کاری اختیاری اور انتخابی صورت میں مذکور ہے۔

امام باقر سے ایک صحیح روایت میں مذکور ہوا ہے کہ "ایما قوم احيوا شیئا من الارض أو عمروها فہم احق بہا"^{۱۷}۔ ہر وہ گروہ جو کسی زمین کو احياء یا آباد کرے وہ اس زمین کا زیادہ سزاوار ہے۔

اس زمین کے بارے میں جو بارش کے پانی سے رشد و نمو کرے ملحوظ رہے کہ زندہ کرنا وہی آباد کرنا ہے گرچہ یہ دونوں باتیں {احیاء و تعمیر} اکثر موارد میں اختلافی ہیں، طبیعی طور پر اولویت میں بھی متفاوت ہیں۔

□ ۱۵۔ مستدرک، ج ۱۴، ص ۱۱۱۔
□ ۱۶۔ کافی، ج ۵، ص ۲۴۹؛ وسائل الشیعہ، ج ۲۵، ص ۳۱۲؛ تہذیب، ج ۴، ص ۱۵۲؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۴، ص ۱۱۱؛ استبصار، ج ۳، ص ۱۰۸؛ عوالی اللئالی، ج ۱، ص ۳۳؛ یہ روایت صحیفہ فضلاء سے مشہور ہے۔
□ ۱۷۔ تہذیب، ج ۴، ص ۱۳۹؛ وسائل، ج ۲۵، ص ۳۱۱۔

عبارت "ہم احق بہا" اثبات حق اولویت کے ضمن میں کوئی حق دوسروں کے لئے ثابت نہیں کرتی ہے، کیونکہ "احق بہا" اصطلاح نحوی میں افعال التفضیل ہے اور اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں دوسرے کا بھی حق ہو کہ اس مورد میں سب کا حق منظور ہے۔ بنا بریں اگر زندہ کرنا یا آباد کرنا ملکیت کا مقدمہ ہوتا، تو صحیح نہ تھا کہ امام کلمہ "احق بہا" کا استعمال کریں کیونکہ جس زمین کی ملکیت اس شخص سے مخصوص ہے بالکل ہے معنی ہے کہ اس میں سزاوار تر ہو۔ بلکہ صرف وہ ہے جو سزاوار ہے۔

محمد بن مسلم ایک روایت میں امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں کہ "ایما قوم احیوا شیئاً من الارض أو عمروھا فہم احق بہا و ہی لہم" ^{۱۸}۔

جو بھی گروہ زمین کا کوئی حصہ زندہ کرے یا آباد کرے اس زمین کا زیادہ حقدار ہے اور اس زمین سے فائدہ اٹھانا بھی اسی سے مخصوص ہے۔

شیخ طوسی کتاب المبسوط میں لکھتے ہیں: عین زمین کسی کے زندہ کرنے سے کسی کی ملکیت قرار نہیں پاتی ہے اور صرف حق تصرف حاصل ہوتا ہے شرط یہ ہے کہ ایک حصہ زمین کے پرافٹ کا امام مسلمین کو ادا کرے، پس معلوم ہوتا ہے کہ زندہ کرنا آبادکاری کے لئے مقدمہ ہے، کیونکہ امام المسلمین کو سہم دینا ثمرہ دینے اور آبادکاری کے بعد ہے۔

آخری بار، صحیفہ ابو خالد کابلی میں امام محمد باقر سے منقول ہے "وجدنا فی کتاب علی أن الارض لله یورثھا من یشاء من عبادہ، و العاقبة للمتقین أنا و اهل بیتی الذین اورثنا الارض و نحن المتقون و الارض کلھا لنا فمن احیا ارضاً من المسلمین فلیعمرھا و لیؤد خراجھا الی الامام من اهل بیتی و له ما اکل منها فان ترکھا أو اخرجھا فأخذ رجل من المسلمین من بعدہ فعمرھا و احیایا فهو احق بہا من الذی ترکھا فلیؤد خراجھا الی الامام من اهل بیتی و له ما اکل حتی ینظر

□ ۱۸۔ کافی، ج ۵، ص ۲۷۹؛ تہذیب، ج ۷، ص ۱۵۲؛ استبصار، ج ۳، ص ۱۵۲؛ وسائل، ج ۲۵، ص ۳۱۲۔

القائم من اهل بيتي بالسيف فيحويها و يمنعها و يخرجهم منها كما حواها رسول الله و منعها الا ما كان في ایدی شیعتنا فانه يقاطعهم علی ما فی ایدیهم و یترک الارض فی ایدیهم"۔^{۱۹}

کتاب علی میں ہم نے دیکھا ہے کہ زمین خدا کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہے اس کا وارث بناتا ہے اور آخری زندگی اور شائستہ حکومت پرہیز گاروں کی ہے۔ میں اور میرے اہلبیت زمین کے وارث ہیں، ہم وہی پرہیز گار ہیں۔ ساری زمین ہماری ہے، جو مسلمان بھی کسی زمین کو زندہ کرے اس کو آباد کرے اور اس کا خراج امام اہلبیت کو ادا کرے، نتیجہ میں اس کو اس زمین سے کھانے کا حق حاصل ہے اور اگر زمین کو خراب، ویران کر دے یا بنجر بنا دے اس کے بعد کوئی دوسرا مسلمان اس کو زندہ یا آباد کرے تو وہ اس زمین کا اس سے زیادہ حقدار ہے جس نے اس زمین کو چھوڑ دیا ہے، اس مسلمان کو بھی اس کا خراج امام اہلبیت کو دینا چاہئے، نتیجہ میں اس کو بھی اس زمین سے خورد و نوش کا حق حاصل ہے، یہاں تک ہمارے خاندان سے قائم شمشیر کے ساتھ ظاہر ہوں اور ساری زمین کو واپس لے لیں اور تصرف کرنے والوں کو اس زمین سے نکال باہر کر دیں جیسا کہ پیغمبر نے کیا مگر وہ زمین جو ہمارے شیعوں کے ہاتھ میں ہے کہ ان سے قرار داد باندھیں گے اور زمین ان کے حوالے کر دیں گے۔

اس حدیث سے بے شمار موارد کا استنباط کیا جا سکتا ہے منجملہ یہ کہ زمین کا حقیقی مالک خدا ہے اور زمین کی اعتباری مالکیت معصومین کی ہے، بنا بریں جس طرح سے حقیقی مالکیت قابل انتقال نہیں ہے اسی طرح زمین کی اعتباری مالکیت بھی قابل انتقال نہیں ہے۔^{۲۰}

اسی طرح حدیث کے آخر میں مالیات اور خراج (ٹیکس) کی بات ہے کہ ہر زمانہ میں امام اہلبیت کو دیا جائے کہ زمین کی مالکیت کی صورت میں یہ خراج بے مورد ہوگا اور تنہا اس صورت میں معنی دار ہے کہ زمین کا زندہ یا آباد کرنے والا زمین کا مالک نہ ہو، دوسری طرف سے یہ بات ہوئی ہے کہ ترک زمین اور خرابی و ویرانی کی صورت میں حق اولویت بھی نہیں رہ جائے گا اور مسلمانوں کو حق تصرف ہوگا کہ یہ صورت بھی فرض مالکیت میں بے معنی و بے مورد ہوگی۔ کیونکہ ملکی زمین کا ترک کر دینا حق

□ ۱۹۔ کافی/ ۵/ ۲۷۹، وسائل الشیعہ/ ۲۵/ ۳۱۳، تہذیب/ ۵/ ۱۵۲، مستدرک/ ۱۴/ ۱۱۲، استبصار/ ۳/ ۱۰۸، بحار الانوار/ ۵۲/ ۳۹۰ و ۱۴/ ۵۸، تفسیر عیاشی/ ۲/ ۲۵۔

□ ۲۰۔ مالکیت اعتباری سے مراد تصرف میں زمین کی نظارت و سرپرستی اس کی تقسیم ہے نہ یہ کہ امام خود دوسروں سے زیادہ حصہ لیں۔

مالکیت کے انتقال کا موجب نہیں ہوگا۔ شیعوں کے بارے میں بھی امام زمانہ ان سے قرار داد باندھیں گے ورنہ ان کی مالکیت کی صورت میں قرارداد بے معنی ہے۔

اسی جگہ زمین خوروں کے محل بالکل ویران ہو جائیں گے اور زور و زر اور دھوکہ دھڑی جو زمینوں کے غارت کرنے کا ذریعہ ہے بیکار ہو جائے گا۔ اسلامی حکومت کا وظیفہ ہے کہ ویران و خراب اور متروکہ زمینوں پر مکمل نظارت رکھے تاکہ ہر شخص اپنی ضرورت کے بقدر زمین کو زندہ اور آباد رکھے۔ اسی طرح ان زمینوں کے حوالے سے جو اشرار کے ظلم و جور کے زمانہ میں زور و زر کی بدولت آباد ہوئی ہیں بصورت عادلانہ عکس العمل کا مظاہرہ کرے کیونکہ مرور زمانہ سے حقوق پائمال نہیں ہوتے۔

۲۔ ربا

ربا، لغت میں گرانی اور اصل مال {سرمایہ، جمع پونجی} سے زیادہ لینے کے معنی میں ہے کہ دین مبین اسلام نے اس کو تمام حالات و ابعاد میں حرام کیا ہے اور کوئی بھی استثناء نہیں ہے کیونکہ ہر طرح کی مفت خوری او حق سے زیادہ لینا ربا شمار ہوتا ہے، جیسے کم فروشی، مشتری سے عادلانہ قیمت سے زیادہ لینا، ایک گراں قیمت کام کی عادلانہ مزدوری میں کمی و زیادتی جو سو فیصد چوری کا مال اور معمولی ربا ہے۔ اور تمام مفت خوریاں اور مالی ظلم و ستم اور زیادتیاں جو حق اور ناحق سے مخلوط ہیں اسی میں داخل ہیں۔ اور معمولی ربا جو سو فیصد مفت خوری ہے یہاں تک ہے کہ سود {ربا} خور سے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اعلان جنگ ہوا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلُمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ. ۲۱

اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور تم صاحبان ایمان ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کر لو تو اصل پونجی اور رأس المال تمہارا ہے نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

ربا اور سودخوری علاوہ بریں کہ خدا کی جانب سے حرام ہے کیونکہ " وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا " ۲۲۔ خدا نے بیع و شراء کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔ اس کے

بکثرت منفی اقتصادی آثار و نتائج بھی ہیں اقتصادی جمود، ایک نقطہ میں ثروت اندوزی، گرانی و مہنگائی اور طبقاتی اختلاف کو سود کے نقصان دہ آثار و نتائج میں سے شمار کیا جا سکتا ہے۔ مزہ کی بات یہ ہے کہ بعض نے گمان کیا کہ حیلہ شرعی کے ذریعہ سود کی حرمت سے اپنے دامن کو بچایا جا سکتا ہے انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ فردی و اجتماعی منفی آثار صرف لفظ ربا {سود} پر مترتب ہوتے ہیں اس سے غافل کہ حیلہ شرعی ہرگز سود کی خارجی مابیت کو تبدیل نہیں کرتا۔

مثال کے طور پر، بہت سارے فقہاء کی ایک جماعت نے دو یا چند چیز کے باہم معاوضہ کا معیار وزن یا پیمانہ کو قرار دیا ہے {اور موضوع ربا {سود} کو مکمل اور موزون میں منحصر جانا ہے} یعنی اجناس کے باہم تبادلہ میں جنس کے وزن اور پیمانہ کی رعایت کرنی چاہئے۔ مثال کے طور پر کہتے ہیں دس کیلو گرام کے نئے آہنی یا تانبا کے بنے ہوئے ظرف کو اسی جنس کے پرانے اور کہنے دس کیلو گرام کے ظرف سے معاوضہ کرنا چاہئے اور ان کی قیمت کے تفاوت کے لئے کوئی پیسہ لینا اور دینا حرام ہے اور جنس موزون اور مکمل کے علاوہ میں بالعکس یا مثلاً دس انڈے دس انڈوں ہی سے قابل تعویض ہیں اور وزن یہاں پر معیار نہیں ہے اب اگر دس انڈے ایک طرف سنگین تر ہوں پھر بھی معیار تعداد ہے نہ وزن۔ کیا خود یہ فقہاء اس بات کے لئے راضی اور تیار ہیں کہ اپنے گھروں کی قیمتی اور نو چیزوں کو اس مقدار وزن کی پرانی اور استعمال شدہ چیزوں سے تفاوت قیمت کے بغیر عوض کر دیں؟ کیا ایسے فتویٰ پر اب تک کسی نے عمل کیا ہے؟ کون عقلمند ہے جو اپنے المونیم یا تانبے کے نئے اور سالم برتن کو اسی جنس و وزن کے پرانے اور استعمال شدہ برتن سے تفاوت قیمت کے بغیر بدلنے کے لئے تیار ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ دو جنس کے مبادلہ میں طرفین معاملہ یا معاوضہ کی واقعی ارزش و قیمت معیار قرار پائے نہ کہ عدد یا وزن یا پیمانہ معیار ہو۔

اور اس سے زیادہ رسوا کن اور شرمناک ایک کیلو گرام اصلی گھی کا ایک کیلو اور چند گرام مٹھا اور چھاچھ سے معاملہ کرنا ہے کہ مٹھا کے لینے والے کو سود خور اور فریب کار اور گھی لینے والے کو زیاں کار اور خسارہ اٹھانے والا کہتے ہیں جبکہ گھی کی قیمت مٹھے کے سو برابر ہے یا اس سے زیادہ ہے اور اسی طرح کی نابسامانی (کم و زیادہ) ایک دوسرے سے مشابہ تمام معاملات میں موجود ہے۔

اس معیار کو بہت سارے دوسرے موارد میں بھی جاری کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک عورت پچاس برس پہلے دس ہزار تومان مہر کے عوض کسی کے حوالہ عقد میں آئی عقل سے بعید ہے کہ اس وقت بھی اسی دس ہزار تومان کا مطالبہ کرے، بلکہ یہ مہر کی قدر و قیمت اور ویلو (value) ہے جو مورد محاسبہ قرار پاتی ہے نہ مقدار اور عدد، اسی طرح اگر کسی نے پچاس برس پہلے پانچ ہزار تومان کسی کو قرض دیا ہے اور اس سے طلبگار ہے کوئی معنی نہیں رکھتا کہ آج بھی اسی پانچ ہزار کا مطالبہ کرے بلکہ پچاس برس میں پانچ ہزار تومان کی ویلو کا حساب کیا جائے گا اور اس کی ادائیگی لازم ہوگی۔

جب میں لبنان میں تھا تو خانماں سوز جنگ کی وجہ سے امریکی ڈالر لبنانی لیرہ کے ۲۳۰ برابر پہنچ گیا اور ایک ڈالر کی ویلو سات سو لبنانی لیرہ کے برابر ہو گئی اور خرید و فروخت ہونے لگا۔ اس وجہ سے مخارج زندگی میں سرسام آور طور پر اضافہ ہو گیا۔ وہاں پر مجھ سے سوال ہوتا تھا کہ اگر پہلے گھر کا کرایہ ۵۰۰ لیرہ تھا تو کیا آج بھی گھر کا کرایہ وہی ۵۰۰ لیرہ ہے یا ڈالر کی قیمت بڑھنے کی وجہ سے گھر کا کرایہ بھی بڑھ گیا ہے؟^{۲۳} دوسرا کہتا تھا کہ میں نے جو چیز پہلے فروخت کی ہے اس وقت اسی گذشتہ مبلغ کا طلبگار ہوں یا یہ کہ اس کی ارزش موجودہ قیمت کی رو سے ۷۰۰ گنا ہو گئی ہے؟

میں جواب میں کہتا تھا: کیسے تسلیم کیا جائے کہ وہ صاحب خانہ سالانہ کرایہ کے سیکڑوں گنا مالیات {ٹیکس} اور تعمیر کے اخراجات و۔۔۔ دے لیکن وہی ناچیز مبلغ ۵۰۰ لیرہ دریافت کرے یا وہ طلبگار معمولی گذشتہ مبلغ طلب کرے۔ یہ عقل سلیم کے منافی ہے اس میں اور ہر عقل سلیم میں تضاد ہے۔ یہاں پر کہنا چاہئے کہ مال کی ارزش و قیمت کا معیار ہر زمانہ میں یہ ہے کہ دوسرے زمانہ میں اس ارزش کی نسبت، اس کا محاسبہ ہو۔ یعنی یہ دیکھیں گے کہ اس وقت اس کی ویلو کتنی ہے۔ اس وقت کی ارزش اور آج کی ارزش میں جو تفاوت ہے اس کے علاوہ اس تفاوت کا بھی طلبگار ہے۔ یہاں تک کہ خود سکے بھی کوئی ارزش نہیں رکھتے ہیں اور دوسرے معیاروں پر ان کی قیمت گذاری ہونی چاہئے۔

اس توضیحی بیان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اصل مال سے زیادہ لینے اور مورد معاملہ چیز کی حقیقی ارزش کی بنیاد پر سود کا حساب ہوگا۔ اور کسی قیمت پر

□۲۳۔ محاسبہ کے مطابق یہ مبلغ تقریباً ۱۲۵۰۰۰ لبنانی لیرہ ہے۔

تخصیص پذیر نہیں ہے، سود کی ساری قسمیں خواہ باپ اور بیٹے کے درمیان ہو، خواہ زن و شوہر کے درمیان ہو، خواہ مسلمان و کافر کے درمیان ہو، حرام ہیں۔^{۲۴}

جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ بظاہر شرعی حیلوں سے سود میں اپنے عمل کی حرمت کو ختم کر سکتے ہیں کیونکہ سود کے منفی آثار لفاظی سے تغیر پذیر نہیں ہیں۔ کیا ایک ماچس کے ہمراہ ایک لاکھ تومان کا سودا ایک لاکھ پچاس ہزار تومان سے مدت معین میں سود کی ماہیت کو تغیر کر سکتا ہے، کیا ایک ماچس پچاس ہزار تومان کی مالیت رکھتی ہے کہ ایک لاکھ کا ایک لاکھ سے محاسبہ کرتے ہو؟ کیا اس حیلہ شرعی سے اس پر مترتب نقصان دہ اثرات ختم ہو جائیں گے؟^{۲۵} ہرگز نہیں!

بہت احمقانہ ہے اگر خدا اور اس کے دین کو فریب کار اور شعبدہ باز ظاہر کریں، وائے ان لوگوں پر جو اس طرح دین خدا کا مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ بات بعینہ یہودیوں کی حیلہ گری سے مشابہ ہے اور قرآن کریم نے اس کو سورہ اعراف کی ۱۶۳ سے ۱۶۶ تک کی آیتوں میں بیان کیا ہے۔ یہودیوں کو شنبہ کے دن کام کرنے کی ممانعت تھی انہیں اس بات کا ملال تھا کہ مچھلیاں شنبہ کے دن ہی کیوں ان کے پانی کے کناروں میں آتی ہیں گویا مچھلیوں کو بھی شنبہ کے دن شکار کی ممانعت کا علم ہو گیا تھا اس وجہ سے یہودیوں نے مچھلیوں کی واپسی کے راستے روز شنبہ کو بند کرنے کی ترکیب سوچی تاکہ آسودہ خاطر ہو کر یکشنبہ کو مچھلیوں کا شکار کر سکیں۔ خداوند عالم ان کی نیتوں اور شیطننت سے بخوبی آگاہ تھا اس لئے اس نے ان کو اپنی رحمت سے دور بندروں میں تبدیل کر دیا: " فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ "؛^{۲۶} راندہ درگاہ بندروں میں تبدیل ہو جاؤ، تاکہ انے والی نسل کے لئے درس عبرت رہو۔

کیا حیلہ شرعی اور فریب کاری یہودیوں کے لئے حرام اور انسانیت سے دور تھی لیکن مسلمانوں کے لئے حلال ہے اور انسانی فعل ہے۔

□ ۲۴۔ اس استثناء کی طرف اشارہ ہے جس کے قائل بہت سارے فقہاء ہیں۔

□ ۲۵۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کتاب تحریر الوسیلہ میں تحریر فرماتے ہیں: "ذکروا للتخلص من الربا وجوهاً مذکورہ فی

الکتب و قد جددت النظر فی المسئلۃ فوجدت ان التخلص من الربا غیر جائز بوجہ من الوجوه و الجائز هو التخلص من المماثلۃ من

التفاضل۔۔۔ و لیس هذا تخلصاً من الربا حقیقتاً، و اما التخلص منه فغیر جائز بوجہ من الوجوه الحیل"۔ تحریر الوسیلہ/۲/۳۲۶۔

□ ۲۶۔ اعراف/۱۶۶

اسلام میں کسی معاملہ کی بابت زیادہ پیسہ لینا یا دینا صرف عادلانہ شراکت کی صورت میں صحیح ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی ایک کار خریدنا چاہتا ہے اور مثلاً اس کا ایک میلیون تومان بصورت قرض یا قسط وار ادا کرنا چاہتا ہے تنہا اس صورت میں کہ اس سے چاہتا ہے کام کرے اور اس کی کچھ آمدنی ہو تو اس ایک میلیون تومان کی بابت ماہانہ بصورت شراکت کچھ اضافی رقم دے سکتا ہے۔ لیکن اگر کار اس نے اپنے شخصی استعمال اور کام کے لئے خریدی ہے اور حقیقت میں نہیں چاہتا کہ اس کے ذریعہ سے کوئی اقتصادی کام کرے اور کچھ آمدنی ہو تو اس مبلغ کی بابت مثلاً تیس ہزار تومان نہیں دے سکتا ہے۔

اسی طرح اجتناب ناپذیر مہنگائی کی بابت کہ سالانہ حکومت کی طرف سے تعیین ہوتی ہے، دئے ہوئے قرض کے لئے دوسرے سال مہنگائی کے بقدر اضافی مبلغ لے سکتا ہے جس کی بحث معاملات میں اجناس کی واقعی ارزش کے معیار میں گذر چکی ہے۔

بنا بریں صرف اور سرف اس صورت میں کہ رد و بدل شدہ مبلغ سے اقتصادی کام اور کچھ درآمد حاصل ہو اس مبلغ کے استعمال میں شراکت کی وجہ سے یا رقم اور معاملہ شدہ جنس کی حقیقی ارزش کی افزائش کی بابت اضافی پیسہ لیا جا سکتا ہے ورنہ صرف قرض دینے سے اس میں اضافی رقم معین نہیں کی جا سکتی ہے جو قطعی طور پر سود اور زیادہ طلبی ہے۔

بحث کے آخر میں مناسب ہے کہ سود سے متعلق بعض آیات کی طرف اشارہ ہو:

۱. فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَاتَّبَعَهَا فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۗ ۲۷

جس کے پاس اس کے پروردگار کی جانب سے نصیحت آ چکی ہے اور اس نے {سود} ترک کر دیا ہے تو گذشتہ کاروبار سے {حکم تحریم کے نزول سے قبل} جو سود اس کو حاصل ہوا اس کا مال ہے، اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے۔

۲. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۗ ۲۸

اے وہ لوگ جو ایمان لائے خدا سے ڈرو اور اگر مومن ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔

ان دونوں آیتوں کے بموجب جس کے پاس سود کے بارے میں حکم خدا پہنچ چکا ہے اس کو سود خوری سے اجتناب کرنا چاہئے اور سود خوری کے نتیجہ میں اس کو جو حاصل ہوا ہے اگر خود مال یا پیسہ موجود ہے تو اس کو جن سے لیا ہے لوٹا دینا چاہئے لیکن جو خرچ ہو گیا ہے یا نہیں رہا اس کے حوالے سے اس پر کوئی تکلیف نہیں ہے البتہ شرط یہ ہے کہ توبہ کر لی ہو۔

۳. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۲۹۔

اور اگر توبہ کر لو تو تمہارا سرمایہ، تمہارا ہے نہ ستم کرو گے نہ ستم دیکھو گے۔

اس آیت کی رو سے جو شخص سود خوری سے توبہ کر لے تو صرف اصلی سرمایہ اس کا ہے اور جو کچھ سود سے حاصل ہوا ہے اس کو جن سے لیا ہے، لوٹا دے۔ البتہ اس صورت میں کہ وہ مال باقی بچا ہو اور محفوظ ہو۔

۴. وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ ۳۰۔

اور ان کا سود لینا باوجودیکہ ان کو سود سے روکا گیا ہے یہ خود سود خور یہودیوں کی نسبت ایک تہدید ہے۔

۵. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۳۱۔

اے وہ لوگ جو ایمان لائے چند برابر سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو شاید نجات پا جاؤ۔ یہاں پر دو گنا اور چوگنا سود کی سخت مذمت کی گئی ہے کہ کچھ لوگ سودی مال سے بھی سود لیتے تھے اور سود در سود لیتے تھے۔

۶. وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۳۲۔

خدا نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

□ ۲۹۔ بقرہ/۲۹

□ ۳۰۔ نساء/۱۶۱

□ ۳۱۔ آل عمران/۱۳۰

□ ۳۲۔ بقرہ/۲۵۵

مذکورہ بالا ساری کی ساری آیات سود اور زیادہ لینے کی حرمت پر دلالت کر رہی ہیں اور سود خوری (معمولی) کو بدترین مفت خوری (یہاں تک کہ چوری سے بھی بدتر) جانا ہے بالخصوص اگر حیلہ شرعی کے ہمراہ ہو۔

۳۔ خمس و زکات

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنَّتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنْتُمْ ءَامَنْتُمْ بِاللَّهِ ۗ ۳۳۔

اور جان لو جو چیز تم کو غنیمت میں حاصل ہوئی ہے اس کا پانچواں حصہ خدا، رسول، ذوی القربیٰ، یتیموں، مسکینوں اور غربت کے مارے مسافروں کے لئے ہے اگر خدا پر ایمان لائے ہو۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَءَاتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۗ ۳۴۔

اور نماز قائم کرو اور زکات ادا کرو اور جو چیز اپنے لئے پہلے بھیج دو گے اس کو خدا کے پاس محفوظ پاؤ گے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَءَاتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۗ ۳۵۔

اور نماز قائم کرو اور زکات ادا کرو اور رسول خدا کی اطاعت کرا شاید مشمول رحمت قرار پاؤ۔

خمس و زکات دو اہم اسلامی مالیات {ٹیکس} ہیں جو قرآن میں واجب ہوئے ہیں تاکہ شرعی مصارف میں خرچ ہوں۔ خمس و زکات کا فلسفہ اس چیز کو بیان کیا جا سکتا ہے جس کا ذکر خدا نے سورہ حشر میں کیا ہے: "کی لا یكون دولة بین الاغنیاء منکم" تاکہ مال {تنہا} تم میں سے جو تونگر اور ثروت مند ہیں، کے ہی ہاتھوں میں نہ رہے۔

چنانچہ حقیقت میں اسلامی معاشرہ میں ثروت کی گردش سبب ہے کہ ثروت ایک جگہ جمع نہ ہو اور طبقاتی اختلاف اور اقتصادی گرانی کی حتی الامکان روک تھام ہو سکے، کیونکہ اسلامی معاشرے میں ایمان کے زوال و فقدان کی سب سے بڑی اور اہم

۳۳۔ انفال/۳۱ □

۳۴۔ بقرہ/۱۱۰ □

۳۵۔ نور/۵۶ □

وجہ فقر ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "لو مثل لی الفقر رجلاً لقتلته" اگر فقر مجھکو کسی آدمی کی شکل میں ملتا تو میں اس کو قتل کر دیتا۔

بنا بریں تمام امکانات کو ایک دوسرے کے ہاتھ میں رکھنا چاہئے تاکہ اسلامی معاشرے میں فقر اپنی جڑیں مضبوط نہ کر سکے، کیونکہ اسلامی معاشرہ کا حیاتی عنصر یعنی ایمان اس پر مبتنی ہے۔

اب ہم خمس و زکات کے بیجا استعمال اور اس سے جو سوء استفادہ ہوا ہے، کو شمار کریں گے اور کتاب و سنت کے مطابق اس پر نقد و تبصرہ کریں گے۔

مصارف خمس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آدھا خمس سادات فقیر سے مخصوص ہے اور نصف دیگر سہم امام ہے اور امام زمانہ اور آپ کے نواب کے اختیار میں ہے۔ اسی طرح زکات کے ہشتگانہ مصارف کے بارے میں کہا گیا ہے کہ سادات اس میں کوئی حق نہیں رکھتے ہیں اور ان پر زکات لینا حرام ہے اور جن اموال میں زکات واجب ہے صرف نو چیزیں شمار کی ہیں: سکہ دار سونا و چاندی، گائے و گوسفند، اونٹ، گندم و جو اور خرما و کشمش۔ البتہ ان موارد میں سے ہر ایک میں کچھ قیود اور شرطیں بھی ہیں۔

جیسا کہ سونا اور چاندی کی زکات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مسکوک و مضروب یعنی سکہ دار ہو اور اگر مسکوک نہ ہو تو زکات نہیں ہے۔ بعنوان مثال اگر زیور، آلات کی شکل میں ہو تو کسی قیمت پر اس میں زکات نہیں ہے۔ گائے، گوسفند اور اونٹ کے بارے میں کہا ہے: زکات ان کے مورد میں اس وقت واجب ہوتی ہے کہ مالک نے مکمل ایک سال اپنے چارہ سے ان کا پیٹ بھرا ہو۔ بنا بریں اس صورت میں کہ اگر ایک دن بھی جانوروں نے صحرا میں چرا ہے تو زکات نصف ہو جائے گی اور اگر سال میں ایک دن حیوانات کو اپنی بیوی کو بخش دے اور اس کے بعد لے لے تو زکات نہیں ہے۔

گندم و جو اور کشمش و خرما کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس صورت میں ان میں زکات ہے کہ مورد کاشت زمین معین شدہ میزان اور نصاب کی حد میں پہنچ جائے اور اس صورت کے علاوہ ہرگز زکات نہیں ہے۔

بنا براین ثروتمند کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے تاکہ حد نصاب تک نہ پہنچی ہوئی چند زمینوں میں کھیتی کر کے زکات دینے سے فرار کر جائیں۔

ان تمام حالات کے پیش نظر بالفرض اگر ان تمام مشہور نو چیزوں میں مکمل زکات نکالی جائے تو صرف زکات کا اٹھواں حصہ فقیروں اور تہی دستوں سے مخصوص ہے کہ شاید مجموعاً ایک ماہ میں چند ریال بھی ہر شخص کو نہ ملے۔

البتہ نصف خمس جو مجموعی آمدنی کے ۲۰% کو شامل ہے وہ بھی سادات پدري کے اختیار میں ہے: حقیقت میں ۹۰% تہی دست افراد جو غیر سید ہیں اسی طرح تہی دست باقی رہیں اور اس کے مقابلے میں سادات پدري جو تہی دستی کا شکار ہیں، ماہانہ لاکھوں تومان ان کی جیب میں جاتا رہے۔

ان موارد میں ایک تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہنا چاہئے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت خمس نے سادات کے لئے کوئی مخصوص سہم بالکل معین نہیں کیا ہے بلکہ ایام و مساکین اور غربت کے مارے مسافروں کا بطور مطلق ذکر کیا ہے اور اس کو بہت چھوٹی اقلیت سے مخصوص کرنا ہر عقل سلیم سے دور ہے۔ اور "الیتامی" اور "المساکین" میں جو "ال" ہے ال استغراق جمعی ہے جو سب کو بلا استثناء شامل ہے۔

دوسری بات یہ کہ سادات کو سادات پدري سے مخصوص کرنے کی قباحت پہلے والے اختصاص سے کم نہیں ہے، جس میں خمس کو سادات پدري سے مخصوص کیا گیا ہے۔ جن لوگوں نے سادات کو سادات پدري میں منحصر جانا ہے ان لوگوں نے وسائل الشیعہ میں ایک مجعول روایت سے استناد کیا ہے "من کانت امہ من بنی ہاشم و ابوہ من سائر

قریش، فان الصدقات تحل لہ و لیس لہ من الخمس شیء لان اللہ یقول "ادعوہم لآبائہم" ۳۶۔" ۳۷ اس

حدیث میں جو نکتہ بہت زیادہ دلچسپ ہے یہ ہے کہ اس حدیث کے جاعل -گڑھنے والے- نے جہاں اس بات کی کوشش کی ہے کہ حکم سادات مادری کو حکم سادات پدري سے جدا کرے، ناخواستہ اور نادانستہ طور پر رسول اکرم سے انتساب کے حکم کو تمام سادات سے خارج کر دیا ہے کیونکہ تمام سادات حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کے واسطے سے آنحضرت (ص) سے منسوب ہیں۔ اس حدیث کی رو سے روئے زمین پر فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے علاوہ دوسرا کوئی سید نہ ہے نہ ہوگا! کیونکہ آپ حضرت رسول کی اکلوتی اولاد ہیں جن سے نسل باقی ہے۔

□ ۳۶۔ احزاب/۵

□ ۳۷۔ وسائل/۹ /۲۶۸۔

اس بات کی توجیہ میں بعض نے کہا ہے کہ سادات پدیری وہ ہیں جو پیغمبر کے جد جناب ہاشم سے منسوب ہیں اور انہوں نے اپنے زعم ناقص میں مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔ اس کے جواب میں کہنا چاہئے کہ اگر ایسا ہو تو اسلام میں بنی عباس کو بھی سید شمار ہونا چاہئے! اور کیا انہیں نہیں معلوم کہ سیادت عظمیٰ، اسلام میں صرف پیغمبر سے مخصوص ہے اور ہاشم بھی حضرت سے اسی انتساب کی بدولت سید قریش تھے۔ جیسا کہ عرب ہر قوم کے رئیس اور بزرگ کو سید کہتے تھے، لیکن بزرگ مطلق پیغمبر کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور علی کی سیادت بھی اپنی سیادت کے ساتھ۔ حضرت رسول سے انتساب کی وجہ سے ہے اور ہر صورت میں حضرت سے منتسب تمام افراد خواہ ماں کی طرف سے منتسب ہوں باپ کی طرف سے، سید ہیں۔ اور تنہا ان کی اولادیں خواہ مادری ہوں یا پدیری۔ بطور خاص اور اصطلاحی سید کہلاتی ہیں۔

دوسرا قابل توجہ نکتہ جاعل حدیث کا ذہنی ہندسہ ہے جو عصر جاہلیت کے خرافات کو اپنے ہمراہ لئے پھرتا ہے۔ وہ خرافات جو دور جاہلیت کے اس شعر میں بالکل نمایاں ہیں:

بنونا بنو ابنائنا و بناتنا بنوہن ابناء الرجال الاغارب

ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہمارے بیٹے ہیں اور ہماری لڑکیاں ان کے بیٹے اجنبی مردوں کے بیٹے ہیں۔

لیکن قرآن سے اس خرافات کا کلی جواب یہ ہے کہ قرآن نے حضرت عیسیٰ کو فرزند ابراہیم کہا ہے جبکہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا۔ "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِيلَىٰ كُلٌّ مِّنَ الصَّٰلِحِينَ"۔^{۳۸}

اسی طرح قرآن امام حسن اور امام حسین (علیہما السلام) کو ابناء رسول شمار کرتا ہے جبکہ حسنین علیہما السلام تنہا ماں کی طرف سے پیغمبر سے منسوب ہیں: "فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْتَاءَنَا وَأَبْتَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ"۔^{۳۹} اے پیغمبر کہہ دیجئے او ہم اپنے بیٹوں کو تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو تم اپنی

□ ۳۸. انعام/ ۸۳-۸۵

□ ۳۹. آل عمران/ ۶۱

عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو اور تم اپنے نفسوں کو بلائیں، اس کے بعد مبادلہ کریں اور خدا کی لعنت کو جھوٹوں پر قرار دیں۔

ان قرآنی دلائل کو ائمہ معصومین نے بنی امیہ اور بنی عباس کے سامنے بیان کیا ہے جو ان کو اولاد رسول اور ذریت پیغمبر نہیں جانتے تھے۔

اصولی طور پر ظہور اسلام اور نزول قرآن سے تمام خرافات اور عصر جاہلی کی غلط سنتوں اور عادات و رسوم پر خط بطلان کھینچ دیا گیا ہے اگرچہ اس غلط اور موہوم تفکر کے اثرات نے مسلمانوں کی معتبر حدیث کی کتابوں میں اپنی جگہ بنا لی ہے۔

تیسرا نکتہ جو اس حدیث میں نظر آتا ہے عبارت "ادعوہم لآبائہم" ہے کیونکہ یہ نکتہ اساسی طور پر موضوع سے کوئی ربط نہیں رکھتا ہے۔ یہ جملہ سورہ احزاب آیت چار اور پانچ سے مربوط ہے جو منہ بولے بیٹوں کو ان کے آباء حقیقی سے نسبت دینے کے بارے میں نازل ہوا ہے:

" وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ادْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ "۔ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے واقعی بیٹے قرار نہیں دئے ہیں یہ سب تمہاری زبانی باتیں ہیں، خدا حقیقت بیان کرتا ہے اور سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے ان کو ان کے باپ کے ناموں سے بلاؤ۔ کیا حسنین پیغمبر کے منہ بولے بیٹے تھے۔

زکات کے بارے میں بھی قرآن کی رو سے جو اس کی تیس آیتوں میں منعکس ہے اور تقریباً تجارت کے باب میں ایک سو حدیث باب زکات میں عمومیت رکھتی ہیں اور ایک روایت جو پیغمبر سے منقول ہے کہ آپ نے زکات نو مورد کے علاوہ معاف کر دی ہے، قطعی طور پر جعلی ہے کیونکہ پیغمبر ہرگز جس چیز کو خدا نے واجب کیا ہے مورد عفو و بخشش قرار نہیں دے سکتے ہیں۔ کیونکہ "وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا"۔ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس حدیث کو مالداروں نے جعل کیا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ زکات اپنے ہشتگانہ مصارف کے ساتھ بہت کم فیصد میں تنہا نو چیز سے متعلق ہو جبکہ فقراء غیر سید فقراء سید کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں جبکہ

نصف خمس سادات کے لئے ہے جبکہ سادات فقیر دوسروں کی نسبت بہت کم ہیں! خصوصاً اس صورت میں کہ نسبت پداری بھی شرط ہو۔

خمس و زکات کے بارے میں ایک بات کا ذکر کرنا لطف سے خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ حیرت انگیز ترین فقہی احتیاط اس بحث میں بعض فقہاء کی احتیاط ہے کہ بر بناء احتیاط سادات مادری، چونکہ ان کا سید ہونا معلوم نہیں ہے، اس لئے خمس سے محروم ہیں اور چونکہ غیر سید ہونا بھی معلوم نہیں ہے اس لئے زکات سے محروم ہیں!

بنا بریں احتیاط کے مبنی پر احتیاطاً تہی دستی سے مر جانا چاہئے!^{۴۲}

دوسرا مطلب جو قابل ذکر ہے حکومتی مالیات اور خراج کا مسئلہ ہے؛ بعض صرف خمس و زکات ادا کرنے کو اسلامی ملک کو چلانے کے لئے کافی جانتے ہیں اور اس کے علاوہ بعنوان مالیات اور کوئی رقم لینے کو جائز نہیں جانتے ہیں۔

یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اسلامی مالیات صرف خمس و زکات ہے اور حکومت کو چاہئے کہ عدالت اجتماعی کی برقراری اور طبقاتی تبعیض کو برطرف کرنے کے لئے اس مال کو خرچ کرے لیکن حکومت راہ سازی، شہر کی صفائی اور تعلیمی اور ورزشی اور تفریحی مراکز کی تعمیر جیسی عمومی خدمات کے عوض اضافی رقم بھی لے سکتی ہے کیونکہ ان امور کا انجام دینا انسانوں کی تکامل اور ترقی یافتہ اجتماعی زندگی کا لازمہ ہے جس سے گریز ممکن نہیں ہے۔

آیت "وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْغَفْوٰ" کی رو سے عفو کے پنجگانہ معانی میں سے ایک عادی ضرورت پر اضافہ ہے زیادتی، خمس و زکات اور تمام واجب صدقات کو شامل ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان امور کا انجام دینا خصوصی شعبہ سے متعلق ہو تو وہ خصوصی شعبہ میں خرچ ہونے والی رقم کو اس شہر میں ساکن تمام دولت مندوں سے لے سکتا ہے۔ اگر خدمات کا تعلق پورے ملک سے ہو اور خمس و زکات محتاجوں کے لئے کافی نہ ہو تو قوم و ملت کے ثروتمندوں کے درمیان تقسیم ہونا چاہئے۔ جیسے ایئرپورٹ کا راستہ اور بے سہارا لوگوں کی خصوصی ضرورتیں وغیرہ۔ شرط یہ ہے کہ خصوصی سازی کی بحث میں عدالت، مصلحت وغیرہ پر فدا نہ ہو جائے۔

□ ۴۲۔ یہ فقہاء رسول کی اس جعلی حدیث سے استناد کرتے ہیں کہ ان الصدقة لا تحل لبني عبد المطلب۔۔۔ وسائل / ۹ / ۲۶۸۔

□ ۴۳۔ بقرہ/ ۲۱۹

کلی طور پر خمس و زکات عقیدتی اور مالی ضرورتوں کو بر طرف کرنے کے لئے ہیں، جن کی عادلانہ تقسیم ہونی چاہئے کہ زکات کے اٹھ مورد اور خمس کے چھ مورد سارے کے سارے شرعی اور اقتصادی نقصانات کو بر طرف کرنے کے لئے ہیں اور بس۔ نہ کابلوں کی پرورش اور ان کی تقسیم میں زیادہ روی کے لئے۔

مضاربہ

مضاربہ پیسہ اور کام کے زد و بند کے معنی میں ہے کہ ایک آدمی کا پیسہ ہو اور دوسرا اس پیسہ سے کام کرے یا یہ کہ ایک آدمی کا پیسہ ہو اور خود وہ اور کوئی دوسرا کام کرے۔

مضاربہ میں شرط ہے کہ پیسہ لینے والا امین اور کام سے واقف ہو کیوں کہ اس کے علاوہ اصولاً مضاربہ اپنے شرعی معنی میں نہیں ہوگا بنا بریں اگر معاملات میں تقصیر کے بغیر کام میں مہارت اور دقت کے باوجود خسارہ ہو جائے تو تمام خسارہ پیسہ دینے والے کا ہوگا۔

مضاربہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کام کرنے والا اپنی مرضی کے مطابق فیصدی کی تعیین کرتا ہے اور ہر صورت میں اس فیصد کو طرف مقابل سے دریافت کرتا ہے خواہ اس کا فائدہ ہو خواہ گھٹا ہو خواہ نہ فائدہ ہو نہ گھٹا ہو۔ اس بارے میں کہنا چاہئے کہ ممکن ہے ایسے شخص سے جو پیسہ سے کام کرتا اور اپنا وقت اور طاقت اس کام میں لگاتا ہے، پیسہ اور نفع کبھی اس کو ہاتھ نہ آئے لیکن اس بات کی امید رکھتا ہے کہ طے شدہ رقم کا فیصد اسے ملنا چاہئے یہ خود اس پر آشکارا ظلم ہے اور اس صورت میں اور ہی بدتر ہے جب ضرر بھی ہوا ہو۔

بطور کلی شراکت کے کاموں میں تین رخ ہوتے ہیں:

۱۔ پیسہ کہ ایک مردہ کام ہے لیکن طرف مقابل کا کام اور اس کی سعی و کوشش سرمایہ اور ایک زندہ کام ہے۔

۲۔ پیسہ ایک غیر ضروری کام ہے اور یہی وجہ ہے کہ ذخیرہ کیا گیا ہے اور کام اور کوشش ایک ضروری امر ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ شخص حرکت میں ہے۔

۳۔ کام کے بغیر پیسہ کی کوئی شرعی درآمد نہیں ہے لیکن کام کی پیسہ کے بغیر شرعی درآمد ہے اگر چہ کم ہے۔

بنا بریں یہ تینوں رخ ہرگز مضاربہ کرنے والے کو مورد سرزنش یا بازخواست قرار نہیں دے سکتے یا یہ کہ اس کے لئے کم فیصد قرار دے کہ یہ کام کرنے والے کے حق میں بہت بڑا ظلم ہے۔

طلاق رجعی

طلاق رجعی میں کہا گیا ہے: مردوں کو ہر حالت میں رجوع کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیویوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں خواہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں لیکن اصولی طور پر مردوں کو اس طرح کا حق دینا فلسفہ ازدواج کے منافی ہے کیونکہ ازدواج کو طرفین کے آرام و سکون کی غرض سے محقق ہونا چاہئے اور ممکن ہے مرد، عورت کو اذیت کرنے اور اس کا مال لینے کی خاطر اس کی طرف رجوع کر رہا ہو اس صورت میں کس طرح اس کو کلی طور سے رجوع کا حق دیا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے:

"وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا"۔ ان کے شوہر ان کو لوٹانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔

بنا بریں آیت کی رو سے ہرگز ہر حالت میں شوہر کے حق رجوع اور بازگشت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا بلکہ صرف اس صورت میں اس کے رجوع اور بازگشت کا حکم لگایا جا سکتا ہے کہ زندگی میں اصلاح کی نیت رکھتا ہو۔ کیونکہ یہ مقصد بیوی کو اپنی طرف لوٹانے کی شرط ہے اور اس کے متحقق نہ ہونے کی صورت میں رجوع باطل ہے۔ علاوہ بریں اگر مرد نے ضرر رسانی یا بیوی کا مال لینے کی دھمکی کے قصد سے رجوع کا ارادہ کیا ہے تو ایسے میں حکم کرنا چاہئے کہ یہ رجوع اولویت کے ساتھ ممنوع ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

"وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِضَعْفِهِنَّ عَلَيْهِنَّ"۔ ان کو نقصان نہ پہنچاؤ کہ ان پر عرصہ حیات تنگ کرو۔

بنا بریں طلاق رجعی میں مرد کو صرف اصلاح کے قصد سے رجوع کا حق حاصل ہے۔

اموال غیر منقولہ سے بیوی کی میراث

شوہر کے اموال غیر منقولہ سے بیوی کے میراث پانے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بیویاں اموال غیر منقولہ کی میراث سے محروم ہیں، جبکہ قرآن نے بیویوں کو مردوں کے تمام ترکے کا وارث جانا ہے اور کوئی تخصیص نہیں کی ہے: "وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ" اور تمہاری میراث کا ۱/۴ تمہاری بیویوں کے لئے ہے اگر تم بے اولاد ہو اس وصیت کے بعد جو تم کرتے ہو اور قرض کے بعد اگر قرض ہے۔ بیویاں بالکل شوہروں کی طرح ہیں، صرف وصیت اور قرض کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور کوئی دوسری چیز مستثنیٰ نہیں ہے۔

اسی طرح تین احادیث اس آیت سے بالکل ہمانگ اور کامل موافقت رکھتی ہیں۔ گرچہ بعض احادیث نے ان اسباب و علل کی بناء جن کا ذکر کیا گیا ہے، بیویوں کو اموال غیر منقولہ سے محروم کیا ہے۔ ان احادیث میں سے بعض میں اس امر کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر بیوی کو زمین حاصل ہو جائے تو ممکن ہے وہ اپنے نئے شوہر کے ساتھ چلی جائے اور اس کو غصب کر لے یا بعض دوسری احادیث میں اس حکم کی علت یوں بیان کی گئی ہے کہ عورت جب شادی کرتی ہے تو اس کی اصل نسب میں داخل نہیں ہوتی، بنا بریں زمین کی بھی وارث نہیں ہوگی جو اصل مال سے ہے!!!

مزے کی بات یہ ہے کہ جن فقہاء نے ان احادیث کو اپنے فتویٰ کے لئے مبنی قرار دیا ہے انہوں نے خود توجہ نہیں کی کہ یہ ساری باتیں اس مرد کے بارے میں بھی ہو سکتی ہیں جو اپنی بیوی کا وارث ہے بلکہ اس سے زیادہ قوت یا برابری کے ساتھ صادق آتی ہے کیونکہ مرد غصب کرنے میں قوی تر ہے اور یہ کہ بیوی کے اصل نسب میں قرار نہیں پاتا اس کا ہم پلہ ہے۔ اصولی طور پر اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ قرآن و حدیث کے تعارض کی صورت میں حدیث کو علیحدہ کر دیا جاتا ہے نہ کہ قرآن کو حدیث سے تخصیص دی جائے یا اس سے بدتر کہ قرآنی حکم حدیث سے نسخ ہو جائے۔

زمین خوری، سود خوری، مفت خوری، سادات کے جھوٹے حقوق، عورتوں کو بیچارہ کرنا، مزدوروں کے حقوق کو ضائع کرنا، یہ ساری باتیں اولاد آدم کی حیلہ گری اور فریبکاریوں کا نمونہ ہیں جو ظلم و ستم کی صورت میں طول تاریخ میں نمایاں نظر آتی ہیں اور بدتر یہ ہے کہ یہ مفت خوریاں اگر حیلہ شرعی سے حق کو ثابت کریں تو شاید آنے والی نسل خدا کے فرمان کی اطاعت کرے اور حتماً ایسا ہی ہے کہ: "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي

الزُّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ"۔^{۷۷} اور حقیقت میں ہم نے زبور میں توریت کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے شائستہ بندے زمین کے وارث ہوں گے۔

کسب و کار اور در آمد کی اہمیت اور شرائط، فقر سے جنگ، اسلام کی نظر میں دولت کے ذخیرے

مفت خوروں کی مختصر بحث کے آخر میں شائستہ ہے کہ شرائط کسب و کار، منابع ثروت، در آمد اور روزی کے حاصل کرنے کے مراحل اور فقر سے جنگ کے بارے میں اسلامی نقطہ نگاہ کے بارے میں مختصر گفتگو کی جائے۔

اسلامی شریعت میں کام کرنے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے یہاں تک کہ پیغمبر نے اپنے خانوادہ کے لئے روزی کمانے والے شخص کو راہ خدا کا مجاہد جانا ہے: "الکاد فی عیالہ کالمجاہد فی سبیل اللہ"۔^{۷۸}

البتہ دوسری طرف جو شخص خود اپنے اخراجات زندگی پورے نہ کر سکے اور دوسروں پر بار ہو اس پر دو بار لعنت کی ہے: "ملعون ملعون من التقی کلہ علی الناس"۔^{۷۹}

بنا بریں ہر مسلمان مرد اور عورت پر کام کرنا واجب ہے شرط یہ ہے کہ کام کرنے کی قدرت رکھتے ہوں اور ایک مرد مسلمان بیکار کے بہانوں سے اپنی ذمہ داریوں سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث میں امیر المومنین سے منقول ہے کہ: "من کان لہ ماء و طین ثم افتقر فاذلہ اللہ" جس شخص کے پاس پانی اور مٹی ہو اس کے باوجود فقیر ہو جائے تو خدا اس کو ذلیل کر دیتا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں پیغمبر سے منقول ہے: "جو شخص کام کر سکتا ہے وہ خمس و زکات کا مستحق نہیں ہے"۔

اسلام میں ربر اور قوم و ملت کے درمیان مقام و مرتبہ اور مال کے لحاظ سے ہرگز کوئی تفاوت نہیں ہے اور دونوں خدا کے نزدیک برابر ہیں بجز تقویٰ

□ ۴۷۔ انبیاء/۱۰۵

□ ۴۸۔ کافی/۵/۸۸؛ فقیہ/۱۶۸/۳؛ وسائل/۱۶/۶۶؛ مستدرک/۱۳/۵۵۔

□ ۴۹۔ کافی/۱۲/۳ و ۵/۵۲؛ الفقیہ/۲/۶۸؛ وسائل الشیعہ/۱۶/۳۱ و ۲۱/۵۳۳؛ بحار/۴۳/۱۳۲؛ التہذیب/۶/۳۲۶۔

"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ"۔^{۵۰} خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محترم و مکرم وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار ہو۔ اور یہ برتری بھی خدا اور خدا پرستوں کے نزدیک مقام و منزلت کے اعتبار سے ہے!

اسلام کی نظر میں کام کے ذرائع و منابع وہ تمام چیزیں ہیں جنہیں خدا نے زمین اور آسمانوں میں خلق کیا ہے اور جن سے بخوبی استفادہ کیا جا سکتا ہے:

"وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ"۔^{۵۱} اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے بیشک اس میں غور و فکر کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔

کسب، در آمد اور حلال روزی حاصل کرنے کے لئے واحد راستہ، کام یا شرعی کاموں میں شراکت ہے اور اس اصول پر عمل کرنے سے فقر و تبعیض کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ خدا کے روزی رسا ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گھر میں بیٹھ جاؤ اور آسمان سے غذا و خوراک اور لباس تمہارے لئے نازل ہوگا، بلکہ اس معنی میں ہے کہ خدا نے روزی کمانے کے ذرائع اور وسائل تمہارے لئے آسمانوں اور زمین میں قرار دیئے ہیں اور اس کے شرائط تمہارے لئے مہیا ہیں۔ انسانوں کو چاہئے کہ روزی کمانے کے لئے مناسب سعی و کوشش کریں۔ سود، مفت خوری، زمین خوری اور وہ تمام مسائل جن کا ذکر کیا گیا ہے، ان لوگوں کی فریبکاری اور حیلہ گری کا نتیجہ ہیں جو زحمت کے بغیر پیسہ کمانا چاہتے ہیں۔ اسلام نے ان میں سے ہر ایک کے مقابلے میں ایک راہ بھی قرار دی ہے جس میں تھوڑی سی زحمت اور مشقت ضرور ہے۔ مثلاً سود کے مقابلے میں اشتراک و تعامل کی بحث؛ زمین خوری کے مقابلے میں احیاء و آبادکاری اور حق اولویت وغیرہ کی بحث؛ کیونکہ آمدنی کی تمام قرآنی راہ حل اس پر تمام ہوتے ہیں کہ دولت و ثروت ایک جگہ ذخیرہ اور جمع نہ ہو۔

دین مبین اسلام کی نظر میں جہاں کام کی بہت زیادہ اہمیت ہے وہیں اس کے کچھ شرائط بھی ہیں جو ذیل کے پنجگانہ مراحل میں خلاصہ ہوتے ہیں:

۱۔ درآمد: کا جائز اور حلال طریقے سے ہونا ضروری ہے اور یہ اقتصادی گرانی و مہنگائی اور طبقاتی اختلافات کو روکنے کے لئے اولین راہ ہے۔

۵۰۔ حجرات/۱۳

۵۱۔ جائیہ/۱۳

۲۔ مصرف بھی حلال اور عادی و معمولی زندگی کی ضرورت کے حساب سے ہونا چاہئے جس میں فضول خرچی اور اسراف نہ ہو۔

۳۔ انفاق: کہ ضروری ہے راہ خدا میں ہو اور انفاق مستحق افراد پر ہو اور یہ اسلام میں ایک واجب امر ہے: "وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْفُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ"^{۵۲}؛ خدا کی راہ میں انفاق کرو خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو اور خدا نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۴۔ جمع کرنا: اس کے لئے اس بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ ناجائز طریقے سے اور خزانہ کی صورت میں نہ ہو بلکہ معقول حد میں ہر مسلمان اس سے بہرہ مند ہو۔ "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ"^{۵۳} اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اس کو راہ خدا میں انفاق نہیں کرتے پیغمبر آپ انہیں درد ناک عذاب کی بشارت دے دیں۔ اور اصولی طور پر مال فردی اور اجتماعی زندگی میں قیام کے لئے ہے نہ ذخیرہ اندوزی کے لئے ہے اور نہ استفادہ شرعی کے علاوہ کسی اور چیز کے لئے ہے کیونکہ "وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا"^{۵۴} خدا نے تمہارے اموال کو تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔

جس طرح کہ انسان کو اپنی قوت و طاقت کے بقدر سود مند کرنا چاہئے کہ "يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلْئِقِيهِ"^{۵۵}۔

اصولاً شریعت اسلام فردی و اجتماعی تمام جہات اور برکات میں کام و کوشش کی شریعت ہے۔

۵۔ سرمایہ: کہ اس کے لئے کم فروشی اور ذخیرہ اندوزی میانہ روی اور عادلانہ نفع اور فائدہ کی بنیاد پر فراہم ہونا ضروری ہے۔

اس بنیاد پر اگر مذکورہ پنجگانہ تمام مراحل کی رعایت کرے تو نہ صرف یہ کہ اس نے اپنے فردی اور اجتماعی وظیفہ شرعی پر عمل کیا ہے بلکہ فقر سے بھی جنگ کی ہے کیونکہ فقر کی روک تھام کے لئے سب سے اہم اور ضروری پنجگانہ مراحل کی رعایت ہے کہ اس صورت میں اسلامی معاشرہ ہرگز اقتصادی حرج و مرج کا شکار نہ ہوگا، البتہ

□ ۵۲۔ بقرہ/۱۹۵

□ ۵۳۔ توبہ/۳۳

□ ۵۴۔ نساء/۵

□ ۵۵۔ انشاق/۶

آخر میں اس نکتہ کا ذکر ضروری ہے کہ ہم ہر طرح کے طبقاتی اختلاف کے مخالف نہیں ہیں بلکہ اس طبقاتی اختلاف کے مخالف ہیں جو ناجائز طریقے سے حاصل ہوئے ہوں ورنہ مشغلوں کی اقسام اور اجتماعی سطح پر توانائیوں کا تقاضہ ہے کہ بعض کی درآمد کم اور بعض کی درآمد زیادہ ہو اور آخر میں نسبی مساوات کے لئے وجوہات دینا اور انفاق کرنا ضروری ہے۔

وجوہات ان کے لئے ضروری ہے جو اپنا وقت اسلامی علوم کی تحصیل اور خالص قرآنی اسلام کی تبلیغ میں صرف کرتے ہیں اور انفاق ان تہی دستوں کے لئے ہے جو امرار معاش اور رزق و روزی کمانے کی توانائی نہیں رکھتے اور کام کرنے سے معذور ہیں اور کل ملا کر فکری و عملی اور قلمی کام اور ہر طرح کے شائستہ عمل کا قرآن و سنت کے معیار پر ہونا لازم ہے اور شریعت اسلام بقدر امکان کام و کوشش کی شریعت ہے کہ

"يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلْئِقِيهِ"^{۵۶}

آخر میں ہر طرح کے نقد و تبصرہ اور تجویز کا استقبال کریں گے۔

قم المقدسہ

محمد صادق تہرانی

تلفکس: ۲۹۳۳۳۲۵

جو کتاب آپ کے سامنے ہے وہ قرآنی فقیہ آیت اللہ العظمیٰ محمد صادق تہرانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک گرانقدر استدلالی اور اجتہادی کتاب ہے جس میں آپ نے عصر حاضر کے مسائل کو نقل کر کے ان پر نقد و تبصرہ کیا ہے اور ان کو کتاب و سنت پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ ایسے فقہاء میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنے مقاصد کے بیان اور اثبات کے لئے کتاب و سنت سے استفادہ کرنے میں ایک نئی روش سے فائدہ اٹھایا ہے آپ ابتداء میں آیات قرآنی میں مستقل طور پر دقت فرماتے ہیں اور روایات سے حاصل شدہ نتیجہ کو مورد توجہ قرار دیتے ہیں۔ کتاب حاضر میں بھی آپ نے اسی روش سے زمین خوری، ربا {سود}، مضاربہ، طلاق رجعی، ارث اور خمس و زکات جیسے مسائل کی تحقیق کی ہے اور بعض فقہاء نے اس سے فرار کے جو طریقے ذکر کئے ہیں، کتاب و سنت کی روشنی میں ان طریقوں پر نقد و تبصرہ کیا ہے۔

جامعۃ القرآن کی بعض کارگزاریاں

بسم الله الرحمن الرحيم

تحقیقی علمی مرکز "جامعۃ علوم القرآن" ایک مستقل قومی موسسہ ہے جو ۱۳۵۸ ھ شمسی میں انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے اوائل میں چند شیعہ مجاہد علماء کے تعاون سے فقیہ، مجاہد، مفسر اور محقق حضرت آیتہ اللہ العظمیٰ صادق تهرانی اور چند دیگر قرآنی محققین کی ایک علمی کمیٹی کی مدیریت اور سرپرستی میں شہر قم میں قائم ہوا، تاکہ ایک قرآنی علمی تحریک کی حفاظت اور نگرانی کرے جس کی بنیاد موسس محترم نے حوزہ علمیہ نجف میں فضلاء کی ایک مجاہد جماعت کے تعاون سے ۱۳۳۱ ھ شمسی میں ڈالی تھی۔

اس قرآنی تحقیقی مرکز کے منتظمین کا تاسیس کے آغاز سے یہ عقیدہ تھا کہ علمی قرآنی انقلاب ہمہ جانبہ معنوی و مادی ترقی کے لئے مسلمانوں کی تکاملی حرکت کی بنیاد ہے اور ۱۳۵۴ میں سیاسی انقلاب کی نسبی کامیابی کے بعد اس کا وقت آ گیا ہے کہ حوزہ ہائے علمیہ میں آغاز ہو اور سب کے اس سوال کا جواب دیا جائے کہ کیونکہ اسلامی اداروں اور مراکز میں قرآن جو اسلام کا ابدی و جاودانی متن ہے متروک اور قابل توجہ نہیں ہے^{۵۷} اور اس کو اپنی تحقیقات کا اصلی متن کیوں قرار نہیں دیا گیا؟ اور غیر قرآنی بحثوں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے؟ اور ہمارے حوزہ ہائے علمیہ دنیا کے مسلمانوں کو قانع اور مطمئن کیوں نہیں کر رہے ہیں {چہ جائیکہ دوسروں کو قانع کریں} تاکہ وہ لوگ جو قرآن اور اسلام کے خلاف شبہات پیدا کر رہے ہیں، حوزہ ہائے علمیہ سے قطعی اور قانع کنندہ جواب پائیں!

اگر چہ اس سے پہلے بھی صدر اسلام میں بھی پیغمبر اسلام نے خداوند عالم سے قرآن کی مہجوریت کی شکایت کی ہے: وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا^{۵۸}۔

□ ۵۷۔ قال الامام علي عليه السلام: "سيأتي عليكم من بعدى زمان... نبد الكتاب حملته و تناساه حفظته... (و الناس) لا يعرفون من

الكتاب إلا خطه... فالكتاب و اهل الكتاب في ذلك الزمان طريدان متفیان و صاحبان مصطحبان في طريق واحد لا يؤويهما مؤو؛

عنقريب ميرے بعد وہ زمانہ آنے والا ہے جب حاملان قرآن {معانی آیات} قرآن کو دور پھینک دیں گے اور حافظان قرآن اس کو بھلا دیں گے اور لوگ قرآن کے خط کے علاوہ کچھ نہ جانیں گے چنانچہ اس زمانے میں قرآن اور اہل قرآن مردود اور مطرود ہوں گے اور ایک ہی کشتی کے مسافر ہوں گے ان دونوں کو کوئی بھی پناہ نہ دے گا۔ بحار الانوار، ج ۴، ص ۳۶۵۔

□ ۵۸۔ فرقان/۳۰

اور "قومی" کہ رسالت پیغمبر کے قرینے سے سارے مسلمان ہیں کہ پوری تاریخ اسلام میں قرآن کو مہجور اور خود سے دور رکھا ہے۔

اس اہم نکتہ کے پیش نظر جامعہ علوم قرآن کی مدیریت بخوبی جانتی تھی کہ مسلمانوں کی اکثریت نے جو قرآن کو ترک کر دیا ہے اور اس کی وجہ سے پیغمبر گرامی اسلام کو جو اذیت ہوئی اور ہوتی ہے، کچھ لوگ عذاب و لعنت و غضب الہی کے حقدار ہیں کیونکہ خداوند عالم نے سورہ توبہ آیت نمبر ۶۱ اور سورہ احزاب آیت نمبر ۵۷ میں فرمایا ہے: "وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" و "إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا"۔

اس وجہ سے دنیا و آخرت میں درد ناک عذاب اور لعنت الہی سے دور ہونے، ثواب و رحمت الہی سے نزدیک ہونے اور "قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَحْدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلِي وَفَرْدِي... " کے مبنی پر قیام، قیام اللہ کے وظیفہ کی انجام دہی کے لئے جامعہ علوم القرآن کی تشکیل ایک ضروری امر بلکہ اوجب واجبات سے تھی جو بحمد اللہ انجام پائی اور مسلسل کوششوں کے نتیجے میں ان اہداف کی تکمیل ہو رہی ہے۔

اس قرآنی مرکز کے جملہ اہداف میں سے ایک ہدف "وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نَضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ" کے معنی پر حوزہائے علمیہ میں دروس تفسیر قرآن کریم اور فقہ قرآنی کو اصالت عطا کرنا تھا تاکہ شرک آلود جنبی دروس کی جگہ پر حوزہائے علمیہ کے دروس کا اصلی محور قرآن قرار پائے اور پیغمبر اسلام اور آنحضرت کے اہل بیت نے جو یہ حکم دیا ہے کہ احادیث کو قرآن کے معیار پر جانچو اور پرکھو ان کے اس حکم پر مکمل طور پر عمل ہو اس طرح سے پیغمبر کی سنت قطعہ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی صحیح سیرت کی پہچان ہو۔

جامعہ علوم قرآن وہ واحد مرکزی ادارہ ہے جو عالمی سطح پر قرآن کی بنیاد پر تمام دینی سوالوں کا استدلالی جواب دیتا ہے اور تدریس، تبلیغات، نشر و اشاعت اور روابط عمومی کے شعبوں میں اس کی سرگرمیاں جاری ہیں اور اس کے رسمی پروگرام علوم قرآنی کے تدریسی جلسات اور تمام دینی سوالوں کے مستدل جواب پر مشتمل ہیں اور اب تک تدریس، تفسیر قرآن {سلسلہ وار موضوعی عنوان سے} تدریس فقہ قرآن، تدریس حکمت و فلسفہ قرآنی ادیان و مذاہب کے درمیان فقہ مقارن اور اسی طرح جدید مسائل کے ۳۶۰۰ جلسات منعقد ہو چکے ہیں۔ اور اس وقت بحمد اللہ جلسات تفسیر موضوعی کے دروس کا سلسلہ جاری ہے۔

مذکورہ علمی اور تحقیقی سرگرمیوں کے بعض نتائج

پانچ سو سے زیادہ فقہی احکام جو کتاب و سنت کی بنیاد پر نہیں ہیں مشہور علماء شیعہ یا سنی یا دونوں کے نظریات کے مخالف ہیں، شائع ہو چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک رسالہ "الفقہاء بین الكتاب و السنة" کے عنوان سے جو مہجور قرآنی احکام سے ایک سو سے زیادہ فقہی حکم پر مشتمل ہیں ایک سو بیس {۱۲۰} علماء اسلام کو ۱۳۷۳ ھ شمسی میں ارسال کیا جا چکا ہے اور ان سے نقد و تبصرہ کی درخواست کی گئی ہے، شائع کیا جا چکا ہے اور اب تک تمام علماء اسلام نے سکوت کیا ہے اور کسی نے کوئی نقد و تبصرہ نہیں کیا اور نہ کوئی جواب دیا ہے۔

اور اسی طرح حوزہ میں رائج فلسفہ کے ارکان اولیہ سے نصوص قرآن کی ضدیت کی وضاحت کی گئی ہے اور منطق بشری میں منطقیوں کے نظریات کے درمیان پائے جانے والے ۶۶ تضاد کو بیان کیا گیا ہے اور شیعہ اور سنی حدیث سے متعلق ۸۰ جلد کتاب کی تحقیق عمل میں آئی ہے اور ان میں موجود جعلی اور من گڑھت احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے اور کتاب "غوص فی البحار" اسی پر مشتمل ہے۔ اس قرآنی اور تحقیقاتی مرکز کا یہ اہم ترین کارنامہ ہے۔

ہمارے ماہرین جو مفسر، حکیم اور مجتہد ہیں وہ فارغ التحصیل ہونے اور ڈگری حاصل کرنے کے بعد اسلامی ممالک میں اور عالمی سطح پر ایشیا، افریقا، یورپ، آسٹریلیا اور امریکا میں اس قرآنی تحریک کو باقی رکھا ہے اور نوبت وار ٹیلیفون، انٹرنیٹ اور خط و کتابت کے ذریعہ اس مرکز سے رابطہ میں ہیں اور موسس محترم کی سرپرستی اور رہنمائی میں مندرجہ ذیل اہداف و مقاصد کے حصول میں لگے ہوئے ہیں:

۱۔ نشر معارف قرآن اور پوری دنیا میں قرآنی علمی انقلاب کی توسیع کہ انقلاب سیاسی اسلامی اس کے ہمراہ اسلام کے تمام جوانب کا ناشر اور معرف ہوگا۔

۲۔ قرآن کی قرآن سے تفسیر کے ذریعہ تمام اعتراضات اور شبہات کا جواب۔

۳۔ قرآن کو مہجور قرار دینے کی وجہ سے شیعہ و سنی حوزہائے علمیہ کے نواقص کی تبیین و وضاحت۔

۴۔ فقہ، اصول، حکمت {فلسفہ}، منطق، کلام اسلامی یہاں تک کہ ادبیات عرب کی کتاب و سنت کے مطابق تبیین و توضیح۔

۵۔ اسلام کے خلاف ہونے والے اعتراضات کا قرآن و سنت کے مطابق عقلی و عملی اور قانع کنندہ جواب دینا۔

۶۔ عصر غیبت میں شورائی اسلامی حکومت کی کیفیت کی قرآنی تبیین۔

۷۔ علمی تجربی ترقی سے مسلمانوں کی پس ماندگی کے اسباب و علل۔

۸۔ حضوری یا ٹیلیفونی یا فیکس و ایمیل کے ذریعہ اسلامی علوم سے متعلق تمام سوالوں کے قرآن سے استدلالی جوابات۔

ہمارے ماہرین کے لئے اٹھویں مرحلہ میں فوق الذکر اہداف کا نسبی طور پر اجراء اور مرکز سے مرتب ہے، لیکن جامعہ علوم قرآن کے مرکزی دفتر کے لئے بطور مطلق اور شبانہ روزی ہے جو صرف حضرت آیتہ اللہ العظمیٰ صادق تہرانی دامت برکاتہ کے ذریعہ انجام پایا ہے۔

اس قرآنی علمی بیداری اور تحریک کو اگرچہ ریاست طلبوں اور مصلحت اندیشوں کی مخالفت، جمود، سخت گیری اور آزار و اذیت کا سامنا ہے لیکن یہ تحریک کبھی رکی نہیں اور خدا کے خاص لطف سے گذشتہ کی طرح اہل قرآن کی محنتوں اور زحمتوں کے نتیجہ میں مسلسل آگے بڑھ رہی ہے۔

لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

جامعہ علوم قرآن / "تبلیغاتی شعبہ"

مؤلف کی سوانح حیات

فقیہ مجاہد، مفسر و محقق آیت اللہ العظمیٰ صادق تهرانی کے مختصر علمی و سیاسی حالات زندگی

بسم الله الرحمن الرحيم

خرداد ماہ ۱۳۷۳ ھ ش میں بنیاد تاریخ اسلامی ایران کی درخواست پر مرحوم الحاج شیخ رضا لسان المحققین کے روحانی خاندان میں ۱۳۰۵ ھ ش میں متولد ہونے والے مولف محمد صادق تهرانی کے بعض حالات زندگی کچھ اس طرح سے ہیں:

تیرہ برس کے سن میں جبکہ آپ کے والد ماجد بقید حیات تھے ہائی اسکول پاس کیا اس کے بعد امام خمینی کے بزرگ استاد مرحوم آیت اللہ العظمیٰ میرزا محمد علی شاہ آبادی کے عرفانی، اخلاقی اور تفسیری حلقات دروس میں شامل ہو گئے اور ضمن میں ایک سال مقدماتی دروس {عربی ادب} میں مشغول رہے، اس کے بعد ۱۳۲۰ ش میں عازم قم ہوئے اور تین برس کی مدت میں سطح کے دروس کو تمام کیا۔

۱۳۲۲ ش میں مرحوم آیت اللہ العظمیٰ بروجردی قم تشریف لائے تو آپ کے دروس میں نہایت ہی محنت اور لگن کے ساتھ شرکت کی اس طرح سے کہ فقہی مسائل میں خود اپنا نظریہ بیان کرنے لگے طبعاً فقہ، فلسفہ، عرفان اور دیگر اسلامی علوم میں دوسرے اساتذہ سے بھی بہرہ مند ہوئے لیکن میری فکری تبدیلی کا اصلی محور وہی مرحوم آیت اللہ العظمیٰ شاہ آبادی طاب ثراہ کے پاس میرا علمی آغاز تھا، جہاں سے میری قرآنی حرکت کا آغاز ہوا اور اب تک جاری ہے اور میری تمام حوزوی تعلیمات اور تالیفات پر اس کا عکس نمایاں تھا اور ہے۔ اس کے بعد مرحوم آیت اللہ العظمیٰ علامہ طباطبائی نے میری تفسیری، عرفانی، فلسفی اور اخلاقی درجات کے استمرار میں عظیم کردار ادا کیا۔

ان دونوں بزرگوں کے دروس میں سات برس شرکت کی اور اپنے قم سے تہران کے بکثرت سفر میں مرحوم آیت اللہ العظمیٰ میرزا مہدی آشتیانی اور میرزا احمد آشتیانی کے فلسفی دروس سے بہت استفادہ کیا، اگرچہ مرحوم شاہ آبادی سے علمی استفادہ اس کا اولین محوری نقش ہے۔

قم میں دس سال مسلسل رہنے کے بعد تہران واپس آ گیا اور علمی و سیاسی میدان میں زور و شور سے کام کرنا شروع کر دیا، مرحوم آیت اللہ العظمیٰ سید ابو القاسم کاشانی

کے ہمراہ تیل کے سلسلے میں شاہ کے خلاف اور مرحوم آیتہ اللہ العظمی سید احمد خوانساری اور مرحوم آیتہ اللہ العظمی شیخ محمد تقی آملی کے ساتھ مراحل فقہی کے استمرار کے اعتبار سے مرتبط رہا۔ اور اسی طرح تہران میں دس سالہ مدت اقامت کے دوران معقول و منقول یونیورسٹی میں کلاس درس میں شرکت نہ کرنے کی شرط کے صرف امتحان میں شریک ہو کر حقوق، علوم تربیتی اور فلسفہ و فقہ میں ایم۔ اے۔ کیا اور اس کے بعد اسلامی معارف میں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی اور وہیں تین سال قرآن و سنت کی روشنی میں کتاب "آفریدگار و آفریدہ" کے متن کے مطابق حکمت {فلسفہ اسلامی} کی تدریس کی۔ شاہی حکومت کے خلاف علمی و سیاسی محور پر تہران کے سات مقامات پر جلسات برقرار کئے جس میں زیادہ تر یونیورسٹی کے اسٹوڈینٹ شرکت کرتے تھے۔ منبر پر بھی جاتا تھا جو علمی اور سیاسی نو آوری پر مشتمل ہوتا تھا جس کی وجہ سے شاہ کی حکومت دھمکی، تحدید اور تعقیب کا سامنا کرنا پڑتا اور فرار کی نوبت آتی تھی اور خود کو مخفی کرنا پڑتا تھا۔

۱ ۱۳۴ھ ش میں طاغوتی حکومت کے خلاف شدید نبرد کے زیر اثر خصوصاً مرحوم آیتہ اللہ العظمی بروجردی کی برسی کی مجلس میں مسجد اعظم قم میں خطابت جو شاہ کے جرائم کا پردہ فاش کرنے پر مشتمل تھی کرنے کی وجہ سے ، ساواک کی جانب سے میرے قتل کا حکم صادر ہوا اور میں نے حج کے قصد سے خفیہ طور پر ایران کو خیرباد کہا، مکہ و مدینہ میں طاغوت کے خلاف فارسی اور عربی میں تقریر اور پمفلٹ شائع کرنے کی وجہ سے عمرہ و حج کرنے کے درمیان گرفتار ہوا اور فریضہ حج حکومتی مامورین کے حصار میں ادا کیا لیکن سعودی حکومت کے سامنے قاطع استدالات کے زیر اثر اور علماء عراقین کے مسجد الحرام میں عظیم اجتماع اور دھرنا دینے کی وجہ سے آزاد ہوا اور انہیں کی حفاظت میں عراق گیا اور نجف اشرف میں دس برس علمی قرآنی اور سیاسی تحریک، تفسیر و فقہ و اخلاق کی تدریس اور تقاریر و تالیفات کی صورت میں جاری رہی۔ حکومت ایران کی درخواست پر حکومت عراق نے مجھ کو ساواک کے حوالے کرنے کا پراگرام بنایا، لیکن مرحوم آیتہ اللہ العظمی آقای خوئی کے گھر میں مخفی ہونے اور آپ کی سرگرمیوں کی بدولت ان کے منصوبہ پر پانی پھر گیا۔

جب ایرانیوں کو نجف اشرف اور عراق کے تمام شہروں سے نکالا جانے لگا تو میں بیروت ہجرت کر گیا اور قرآنی و سیاسی تحریک کا سلسلہ لبنان میں پانچ برس تک جاری رہا۔ پورے لبنان میں نماز جمعہ کی تشکیل اور مذہبی جلسات میں قرآنی محور پر تقاریر سے شاہ مخالف سیاسی تحریک کا سلسلہ چلتا رہا اور اسلامی حکومت کی تشکیل

کے لئے سعی و کوشش بھی جاری رہی اور تازہ ترین تالیفات سے اسلام قرآنی کی حقانیت کے اثبات کے لئے دوسرے مذہب کے علماء سے گفتگو کا ماحول سازگار ہوا اس طرح سے لبنان کے مختلف علاقوں میں شیعہ علماء سے قرآنی گفتار کے ضمن میں سنی، عیسائی، یہودی اور درزی علماء سے مباحثہ و مناظرہ کیا اور ملحدین و مشرکین سے بھی بحث کی تو انہوں نے یا سکوت اختیار کیا یا قرآنی استدلال کے سامنے تسلیم ہو گئے۔

جب لبنان میں داخلی جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تو میں نے لبنان کو حجاز کے قصد سے ترک کیا اور مکہ معظمہ میں دو سال دنیا کی علمی اور سیاسی اسلامی شخصیتوں سے قرآنی و سیاسی مبنی پر مسلسل ارتباط رکھنے کے باعث مسلمانوں کے درمیان قرآنی انقلاب کی ترقی اور پیشرفت کے لئے وسیع پیمانہ پر کوششیں ہوئیں۔

حجاز میں وہابی علماء سے قرآنی مناظرات کئے اور کسی ایک میں بھی وہ لوگ مجھ کو شکست نہ دے سکے جس کی وجہ سے تقریباً سو {۱۰۰} سنی گھرانوں نے مرکز حکومت آل سعود {مکہ مکرمہ} میں صرف قرآنی ادلہ سے اور کبھی صرف سورہ فاطر کی ۳۲ ویں آیت سے استناد کرنے کی وجہ سے مذہب اہلبیت اختیار کیا اور سارے کے سارے بحمد اللہ شیعہ ہو گئے۔

دوسری بار ۱۷ برس کے فاصلے کے بعد گرفتار ہوا اور آزادی کے بعد لبنان لوٹ آیا۔ گرفتاری کے دونوں مرحلے میں مکہ مکرمہ میں قید ہوا اور دوسری گرفتاری میں پہلے مدینہ میں اس کے بعد مکہ اور آخر میں "سجن الترحیل" جده میں تھا۔ پہلی گرفتاری میں حرم کے پولیس چوکی میں اور اس کے بعد "شرطۃ العاصمۃ" جو مکہ کا تھانہ ہے میں قید میں تھا دوسری بار جب قید ہوا تو سنا کہ مرحوم امام خمینی پیریس ہجرت کر گئے ہیں۔

دوسری بار دو ہفتہ قید میں رہنے کے بعد بیروت واپس آیا اور وہاں سے امام کے دیدار اور انقلاب کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے پیریس گیا۔ پیریس میں دس دن قیام اور مرحوم امام کے جلسات میں شبانہ روزی شرکت کے دوران قرآنی و سیاسی دونوں موضوعات پر یونیورسٹیوں میں طولانی تقریریں کی۔ بیروت واپس آنے کے بعد امام کے ایران لوٹنے کے چند روز بعد سترہ برس کے بعد کہ اس مدت میں چار بار شاہ کی ساواک کی طرف سے میرے قتل کا حکم صادر ہوا اور میں ساواک سے بچتا پھرا۔ ایران واپس آیا اور جمہوری اسلامی ایران کی پایہ گذاری کے بعد جس کی بنیادی تحریکوں میں میرا موثر نقش تھا، قم میں اقامت اختیار کی اور اب تک معارف قرآن کے محور پر درس

و تالیفات اور خطابات کا سلسلہ جاری ہے۔ مرحوم امام کے مشوروں کے نتیجہ میں اور انقلاب قرآنی تحریک کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے اجرائی امور میں شریک نہیں ہوا مگر چند روز آغاز انقلاب میں مرحوم امام کی خواہش کے احترام میں لوگوں کے مراجعات کا جواب دیا اور رسمی طور پر نماز جمعہ کی تشکیل کے بعد پورے ایران میں تقریروں کے علاوہ صوبائی مراکز اور بعض دوسرے شہروں میں نماز جمعہ کی تشکیل کی۔

مشہد مقدس کے پارک ملت میں ہونے والی بہترین اور یادگار نماز جمعہ بھی جس میں پانچ لاکھ افراد شریک ہوئے تھے ٹینک کو منبر، رائفل کو سلاح اور لباس کو مکمل کفن کے طور پر استعمال کیا، مشہد کی اسی پہلی نماز جمعہ میں لوگوں نے ایک طولانی میمورنڈم فراہم کیا جس میں لاکھوں لوگوں کے دستخط تھے اور اس طرح سے لوگوں نے حقیر کو مشہد کا رسمی امام جمعہ بنانے کی درخواست کی اور اس کے بعد میمورنڈم کو امام کے دفتر میں ارسال کیا گیا، لیکن امام کے ہاتھوں میں نہ پہنچا۔ کافی دنوں تک مسجد جمکران میں نماز جمعہ پڑھائی، اس کے بعد امام نے مرحوم حجة الاسلام و المسلمین طالقانی کو تہران کے امام جمعہ کے عنوان سے مقرر کیا۔ بعض حوزوی سنگ دل افراد کی اذیت و آزار اور جھوٹی تہمتوں کی وجہ سے قم میں نماز جمعہ ترک کرنے کے بعد اپنا پورا وقت تدریس و تالیف میں صرف کیا اور "الفرقان" کی ۳۰ جلدوں میں ۲۵ جلد تفسیر ۱۰ سال کی مدت میں تالیف کی اور اس کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی کی تدریس کی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مرحوم علامہ طباطبائی نے مجھ سے فرمایا کہ جب تک یہ تفسیر تمام نہ ہو جائے کوئی دوسری کتاب نہ لکھنا اور ایسا ہی ہوا آخر کار تفسیری، فلسفی، فقہی اور دیگر موضوعات میں ۱۱۳ سے زیادہ قرآنی تحقیقی کتابیں تالیف کیں جس میں سے اکثر زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں یا زیراکس ہوئی ہیں اور کچھ کتابیں ابھی خطی نسخوں کی شکل میں ہیں۔

عصر حاضر میں بعض بزرگ علمائے اسلام نے حقیر کی تالیفات کے بارے میں کچھ نکات بیان کئے ہیں منجملہ آية الله العظمى حکیم نے فرمایا: تم نے انقلابی سرگرمیوں کے باوجود اتنی کتابیں تالیف کی ہیں جو کم مدت میں نجف کے با سابقہ مؤلفین سے تعداد اور مطالب کے اعتبار سے آگے بڑھی ہوئی ہیں، مرحوم امام اور مرحوم آقای خوئی نے کتاب "المقارنات" کے بارے میں نجف میں فرمایا: یہود و نصاری کے خلاف اب تک

لکھی جانے والی کتابوں میں یہ بہترین کتاب ہے۔ گونا گوں کتابوں کی تصدیق کے مطابق تمام اسلامی علوم میں حقیر کا بلند درجہ اجتہاد مورد تائید مراجع عظام ہے۔ اس کے علاوہ تحقیقاتی تفسیری مراحل میں پیشرفت کے ساتھ ساتھ میرے فقہی، اصولی، فلسفی، عقیدتی، عرفانی اور سیاسی نظریات تمام دوسرے علماء سے مختلف ہوتے گئے۔

تفسیر میں شاید ہی کوئی ایسی آیت ہو جس کے حوالے سے شیعہ و سنی تفاسیر میں کسی غلط یا غفلت کی وجہ سے چھوٹ جانے والے نکتہ کی میں نے نشاندہی نہ کی ہو۔ اور فقہ میں میرا علماء شیعہ و سنی کے بہت سارے نظریات سے اختلاف ہے اور کبھی کبھی تو دونوں فرقوں کے بعض نظریات مجھ سے میل نہیں کھاتے ہیں۔ اور قرآن و سنت کے مبنی پر پانچ سو سے زیادہ فتاویٰ میں نے تبصرة الفقہاء میں ذکر کئے ہیں جو سارے کے سارے نظریات مشہور کے مخالف ہیں اور تمام علوم اسلامی میں اس وسیع اختلاف کی بنیاد آزاد اندیشی اور پیش فرض کے بغیر قرآن مبین میں تدبر ہے، حالانکہ اگر علماء اسلام درست تحقیق کریں تو ان کے اختلافات کا فیصد بہت کم ہو جائے گا اگر چہ ان کے اس طرح کے فتاویٰ اجماع اور روایات کے برخلاف ہوں۔

مرسوم حوزوی فلسفہ کے ارکان اولیہ کو عقلی اور قرآنی فہم و ادراک کے برخلاف جانتا ہوں اور طبعاً بہت سارے فلسفی نظریات کو قبول نہیں کرتا جیسے قدمت زمانی عالم اور حدوث ذاتی عالم، ضرورت سنخیت علت و معلول کے مبنی پر خدا اور مخلوقات کے سنخیت، قاعدہ الواحد لا یصدر الا الواحد وغیرہ۔ منطق بشری میں چند اعتراضات کے علاوہ ۶۶ تضاد - مطابق حساب ابجدی "الله" - منطقیوں کے نظریات کے درمیان موجود ہیں جن کا ذکر تفسیر "الفرقان" کے حاشیہ میں سوری اعراف میں {جلد نمبر ۱۰ صفحات ۳۷ تا ۳۸} کیا ہے۔

علم اصول میں مباحث الفاظ میں بحث و تحقیق کو غلط سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ علوم تجربی کا کوئی بھی عالم بدیہیات لفظی میں بحث نہیں کرتا ہے۔ اور اصول عملی بھی نصوص کتاب و سنت سے ہویدا ہیں۔^{۵۹}

علماء سے ہمارا اختلاف دوسرے علوم سے زیادہ فقہی مسائل میں ہے اور اس اختلاف کی بنیاد قرآنی ہے۔ میں نے "الفرقان" کی تیس جلدی تفسیر میں ان تمام موارد کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور فقہی نظر سے بھی تفسیر کے علاوہ "تبصرة الفقہاء"، "اصول الاستنباط"، "تبصرة الوسيله"، "علی شاطی الجمعة" میں عربی زبان میں اور رسالہ

^{۵۹}۔ کتاب اصول الاستنباط مخصوص مباحث ضد اصول حوزوی ہے۔

"توضیح المسائل نوین"، "فقہ گویا"، "اسرار مناسک و ادلہ حج" اور مفت خواران میں فارسی زبان میں اہم فقہی قرآنی مباحث کو پیش کیا ہے۔ یہ تمام اختلافات اصالت دلالت قرآنی کے مبنی پر ہیں جس کو "ظنی الدلالة" سمجھا ہے با وجودیکہ فصاحت و بلاغت میں بلند ترین مرتبہ پر ہے۔

قرآن کے اس معمولی و حقیر خادم نے اسلام سے منسوب تمام حوزوی علوم {جو آخر کی نصف صدی میں بزرگ ترین علماء سے حاصل کیا ہے} ابتدا سے حاشیہ قرآن میں رکھا اور رفتہ رفتہ اس نتیجہ تک پہنچا کہ یہ علوم قرآن سے کافی اختلاف رکھتے ہیں "اور اکثر بڑے بڑے علماء سے اس سلسلہ میں میں نے گفتگو کی اور ایک مرتبہ بھی محکوم نہ ہوا" اور نوعاً معترف ہیں کہ علوم و معارف قرآنی حوزہای علمیہ میں چنداں اصالت نہیں رکھتے۔ اور میرا نظریہ ہے کہ یہ مرحوم امام کے سیاسی انقلاب سے زیادہ اہم ہے کہ تمام علمی و سیاسی ابعاد میں قرآنی انقلاب متحقق ہو۔ میں اسلامی ادلہ کو قرآن و سنت سے مخصوص جانتا ہوں اور اس درمیان اصلی محور بھی قرآن ہے۔ کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: **وَأْتِلْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُتْتَحِدًا**^{۱۰} اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی کتاب {قرآن} سے بذریعہ وحی تم تک پہنچایا گیا ہے اس کی تلاوت کرو کہ ہرگز کوئی اس کا تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا "رسالتی و حیاتی" ٹھکانا بھی نہیں ہے۔

بنا بریں آیہ کریمہ کی رو سے وحی الہی کی پیروی کرتے ہوئے مسلمانوں کا بھی بجز قرآن کوئی مرجع اور ٹھکانا نہیں ہے کہ اگر کوئی متواتر حدیث بھی موجود ہو تو نص یا ظاہر قرآن سے مخالفت کی صورت میں مردود ہے یہاں تک کہ اگر کوئی بھی حکم ایک اسلامی ضرورت ہو ایک اصل قرآنی کا محتاج ہے مگر یہ کہ قرآن کی اس کے بارے میں کوئی نفی یا اثبات نہ ہو کہ از باب اطیعوا الرسول قابل قبول ہے جیسا کہ اگر ائمہ معصومین بھی ایسی ضرورت کے مؤید ہوں تصدیق کی جائے گی البتہ "اولی الامر منکم"

کے باب سے اور یہ روایت قطعی بھی حروف مقطعات اور رمز آیات قرآن سے ماخوذ ہیں کہ سورہ کہف کی ۲۷ ویں آیت تمام احکام کا سرچشمہ قرآن کو جانتی ہے اور بس؛ نتیجہ یہ نکلا کہ سنت اور وحی مخصوص قرآن کے برابر نہیں ہے شہرت و اجماع یہاں تک کہ ضرورت مسلمین بھی قرآن کے سامنے بے نقش اور غیر موثر ہیں کیونکہ آیہ "قل فلولہ

الحجۃ البالغة" کی رو سے جیسا کہ ثابت کرنے والی حجتیں اصل شریعت "بالغہ" ہے وہ بھی کہ احکام شریعت کو ثابت کرتی ہیں حجت بالغہ ہیں کہ قرآن میں یا سنت قطعہ میں بیان ہوئی ہیں۔ اور یہ بات ہرگز قابل قبول نہیں ہے کہ خداوند عالم نے اپنے کسی حکم کو قرآن اور سنت قطعہ میں بیان نہیں کیا ہے تاکہ ہمیں اجماع کی ضرورت ہو۔ اور چونکہ فقہاء کے تالیف شدہ نظریات کم ہیں سب کے اجماع کا حاصل اور معلوم کرنا محال ہے۔ دلیل ظنی بھی قرآن کی رو سے مردود اور ناقابل قبول ہے کیونکہ "لا تقف ما لیس لک بہ علم" بھی ہرگز اصول دین سے مخصوص نہیں ہے کیونکہ غیر علم سے یہ ممنوعیت بھی فرعی احکام کے بعد آئی ہے۔ بنا بریں ظن و گمان احکام الہی میں کوئی نقش نہیں رکھتے ہیں۔

کیونکہ "إن الظن لا یغنی من الحق شیئاً" اگر اسلامی کتابیں حوادث کی وجہ سے ضائع ہو گئیں ہیں۔ اپنی حجت بالغہ کو بیان کرنے میں علم و قدرت و رحمت الہی تو ہے۔ علم رجال کا بھی اگر نقش ہو تو بہت کم رنگ ہے کیونکہ احادیث کے متون کو جعل کرنے والوں نے اسناد بھی جعل کی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نص یا ظاہر قرآن کے خلاف صحیح السند احادیث ہمارے حوالے کی ہیں۔ جیسا کہ کتاب "غوص فی البحار" میں تقریباً ۱۸۰ جلد شیعہ و سنی کی کتب حدیث کو کتاب و سنت کے معیار پر نقد کیا ہے۔

لہذا اسلام کی شناخت کا اصلی معیار صرف اور صرف قرآن اور اس کے موافق سنت قطعہ ہے۔ یا کم سے کم علم اور سنت ہے جو موافق یا مخالف قرآن نہ ہو جو حروف مقطعات سے مستفاد ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سارے فتاویٰ اور احتیاطیں مردود ہیں اور اگر اسلامی فرقوں کے درمیان ایسے فقہی نظریات موجود ہیں جو عقل، احساس اور عدل و علم کے برخلاف ہیں تو ان کی بنیاد قرآنی نہیں ہے مگر ممکن ہے جس اسلام کو قاطع عقلی دلیل کے مبنی پر قبول کیا ہے، خود اس اولی مبنی کے مخالف ہو۔

مثلاً حضرت امام صادق علیہ السلام کے ابو حنیفہ سے مناظرہ کے بارے میں روایت جعل کی کہ بالفرض حضرت نے قیاس باطل سے منع کرتے ہوئے قیاس اولویت قطعہ کی رد کی طرف سبقت کی ہے! اور مثلاً راوی سے فرمایا ہو: اگر عورت کی ایک انگلی کاٹی جائے تو اس کی دیت مرد کی کامل دیت کا ۱/۱۰ ہے {یعنی ۱۰۰ مثقال سونا} اور عورت کی دو انگلی ۱۰/۲ اور تین انگلی ۱۰/۳ لیکن اس کی چار انگلیوں کی دیت اس کی دو انگلیوں کی دیت کے مساوی ہے!

حالانکہ اولاً قیاس اولویت قطعہ بالکل صحیح قیاس ہے اور کتاب و عقل اور تمام عقلاء کی عقل کے مطابق ہے، ثانیاً کیا یہ بات سوچی جا سکتی ہے کہ چار، حساب اور ارزش کے لحاظ سے تین سے کمتر ہے اور دو کے مساوی ہے!؟ قرآن نے بھی عورت اور مرد کی دیت کے فرق کو بیان کرنے کے بعد آیت "والجروح قصاص" کے ذریعہ عورتوں کے اعضاء و جوارح کی دیت کو ان کی کامل دیت کی مناسبت سے اور مردوں کے اعضاء و جوارح کی دیت کو ان کے کامل دیت کی مناسبت مقرر فرمایا ہے۔

اور شوہروں سے بیویوں کی میراث کے باب میں بھی اکثر {قریب بہ اتفاق} شیعہ فقہاء نے بیویوں کو اموال غیر منقولہ سے {گھر کی قیمت کے علاوہ} محروم کیا ہے جبکہ نصوص قرآن کی رو سے ایسی کوئی محرومیت ہرگز نہیں ہے، کیونکہ سورہ نساء کی آیہ ۱۱ اور ۱۲ نے صرف وصیت اور دین کو مورث کے ترکہ سے استثناء کیا ہے اور اس حکم کو عورت اور مرد کی میراث کے لئے مکرر بیان فرمایا ہے کہ (مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ) (مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِيْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ) کہ مکرر وصیت اور دین (قرض) کو (عورتوں کے لئے مردوں کی طرح) مستثنیٰ کیا ہے اور بس۔

اسلامی روایات بھی اس حوالے سے گوناگوں ہیں ہمارے فقہاء کی اکثریت نے تنہا ان روایات سے استدلال کیا ہے جو خلاف قرآن بھی ہیں اور ان میں موجود برہان بھی تمام عقلی و شرعی معیاروں کے برخلاف ہے، مثلاً فوق الذکر محرومیت کے لئے روایات میں اس طرح استدلال کیا ہے: چونکہ عورت (بیوی) مرد کے اصل نسب میں داخل نہیں ہوئی اس لئے اصل میراث سے میراث نہیں پائے گی؛ جبکہ اس کے برعکس یعنی مرد (شوہر) میں بھی ایسا ہی ہے یعنی چونکہ مرد بھی زن (بیوی) کے اصل نسب میں داخل نہیں ہے اس لئے اس کی اصل میراث سے میراث نہیں پائے گا۔

دوسری روایات میں اس طرح آیا ہے: "چونکہ ممکن ہے زن بیوہ شادی کر لے اور اس کے بعد اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ پہلے شوہر کے میراث میں ملے گھر میں چلی جائے اور وہاں سکونت اختیار کر لے اور دوسروں کے حق کو غصب کر لے خود گھر سے محروم ہے"۔ حالانکہ مرد اپنی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کرنے میں بیوہ سے کہیں زیادہ سرگرم ہوتا ہے اور غصب میں بھی بیوہ عورت سے زیادہ طاقتور ہے۔ اور اس وقت اگر دوسری شادی نہ بھی کرے پھر بھی اسی طرح میراث کے اس حصہ

سے محروم ہے۔ چنانچہ اس روایت کی وجہ سے اگر عورت (بیوی) ان دونوں احتمالات کے پیش نظر میراث کے اصلی حصہ سے محروم ہو تو مرد کو زیادہ محروم ہونا چاہئے۔

یا عاقلہ کے بارے میں کہ فتاویٰ کی رو سے اگر کوئی بالغ آدمی تعمد کے بغیر کسی کو قتل کر دے تو مقتول کا خون بہا قاتل کے چچا اور ماموں کے ذمہ ہے ہر چند یہ بے ثروت نوجوان اور وہ سن رسیدہ ثروت مند ہو۔ یہ فتویٰ بھی سو فیصد مخالف عقل اور بر خلاف نصوص آیات قرآنی ہے۔ اور اسی طرح سے قصر نماز اور افطار روزہ کے باب میں، وہی اٹھ فرسخی سفر مشہور فتویٰ کا مبنیٰ ہے جبکہ کم سے کم "مسیرۃ یوم" میزان ہے۔ یعنی ایک روز کی مسافرت کہ آج کے آمد و رفت کے وسائل کے ذریعے جو ہزار کیلو میٹر سے زیادہ ہے اور پھر یہ بھی معیار نہیں ہے بلکہ آیہ قصر "إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا" کی رو سے صرف جان کے خوف یا اس کی مانند کی صورت میں کیفیت نماز میں کمی ہوگی کہ آج سفر میں ہرگز نماز قصر نہیں ہوتی ہے اور روزہ بھی افطار نہیں ہوتا ہے۔

روزہ دار کے صبح رمضان میں داخل ہونے کے لئے جنابت سے طہارت مشہور فتوا کی رو سے لازم ہے، ہم اس فتوائے مشہور کے بارے میں جب قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قرآنی نص کے مطابق ہرگز ایسی کوئی قید نہیں ہے، کیونکہ "فَالَّذِينَ بُشِرُوا... وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ" عورتوں (بیویوں) سے مباشرت کو کھانے اور پینے کی طرح طلوع فجر سے ایک لحظہ پہلے تک جائز جانا ہے کہ اب غسل جنابت کے لئے کوئی وقت باقی نہ رہ جائے گا۔ شیعہ اور سنی روایات بھی نص آیت کے موافق ہیں اور تنہا چند شیعہ روایات جو آپس میں متناقض بھی ہیں طلوع فجر سے پہلے طہارت کو واجب یا شرط صحت روزہ جانتی ہیں۔

میں نے بڑے بڑے علماء سے رائج حوزوی علوم بالخصوص فقہ کے بارے میں گفتگو کی ہے منجملہ مرحوم آیتہ اللہ سید احمد خوانساری سے اس زنا کار سے شادی کے بارے میں جس نے توبہ نہیں کی اور نہ کرے گا، فرمایا: احتیاط واجب ہے کہ اس سے شادی نہ کرے خواہ موقت ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ شروط صحت ازدواج سے عورت کے مانع ہونے کے بغیر ہے اور زناکار کی بات بھی قابل قبول نہیں ہے، میں نے کہا: اس طرح سے تو اس سے شادی کی حرمت اقویٰ ہے نہ احتیاط واجب، اور پھر یہ کہ "وَحَرَّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ" نے اس کو حرام کیا ہے اور اگر روایات بھی اس بارے میں مختلف ہوں تنہا وہ روایت قابل قبول ہے جو موافق نص ہے۔ فرمایا: شاید ائمہ علیہم السلام کے مد نظر

کوئی آیت تھی جس نے اس حرمت کو نسخ کیا ہے۔ میں نے کہا: پہلی بات تو یہ کہ آیات ناسخ و منسوخ معلوم ہیں دوسرے یہ کہ سورہ مائدہ جو نزول کے اعتبار سے آخری سورہ ہے اس کی پانچویں آیت "والمحصنات من المؤمنات" میں عورتوں کی پاکدامنی کو ان سے شادی کی اصلی شرط جانا ہے، کہ یا یہ آیت ان کی پاکدامنی کے بارے میں ایک اہم شرط رکھتی ہے یا کم سے کم "وَحُرْمٌ ذُلُّكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ" کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اس بنا پر جب تک کسی عورت کا زنا کرنا ثابت نہ ہو اس پر پاکدامنی و عفاف کا حکم جاری ہے۔ یہیں پر آپ نے آیہ تحریم کی نص کے مطابق، نامناسب لوگوں سے شادی کی حرمت کا قطعی فتویٰ صادر کیا۔

اسی طرح مرحوم آیتہ اللہ العظمیٰ گلیپایگانی سے اس بارے میں بحث ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں نے عروہ کے خطی حاشیہ میں احتیاط واجب کیا ہے؛ لیکن تحقیق کے بعد دیکھا کہ آپ کا فتویٰ احتیاط مستحب تھا۔ میں نے کہا: نص آیہ تحریم کے تحت یہ احتیاطیں بھی بے جا ہیں اور دو نص قرآنی کے مطابق نا موزوں یعنی دوسرے مذہب والوں سے شادی حرام ہے۔

مرحوم آیتہ اللہ العظمیٰ خوئی نے بھی فرمایا: لا ینکح خبر ہے نہ انشاء لہذا حرام نہیں ہے؛ میں نے کہا: اگر خبر ہے تو قطعاً کذب ہے؛ کیونکہ زنا کار مرد زنا کار عورتوں سے شادی کی سوچتا اور زنا کار عورت بھی زنا کار مرد سے شادی کے فراق میں نہیں ہوتی لہذا لا ینکح انشاء ہے بلفظ خبر، اور چونکہ حُرْمٌ اور ذُلُّكَ مذکر ہیں ان دونوں کا مرجع اور مشار الیہ صرف نکاح ہے نہ زنا جو لفظاً مونث مجازی ہے۔ اور اگر بفرض محال ذُلُّكَ کا مرجع زنا ہو! کیا یہ زنا صرف مومنین پر حرام ہے کافروں اور فاسقوں پر نہیں؟ بنا بریں "وَحُرْمٌ ذُلُّكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ" حرمت پر نص ہے! فرمایا: اس "حُرْمٌ" سے غفلت ہوئی ہے اور پہلی دلیل بھی درست ہے۔

رضاعت اور شیر خوارگی کے مشہور مسئلہ کے بارے میں، نوعاً اکثر فقہاء کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کسی بچہ نے تمہاری عورت (بیوی) کا دودھ پی لیا ہے تو وہ تمہارا رضاعی فرزند ہے۔ چنانچہ اگر اس نے شادی کی اور اپنی بیوی کو طلاق دے دی یا لڑکا مر گیا تو اس عورت سے شادی کرنا تم پر حرام ہے!! اس بارے میں مرحوم آیتہ اللہ العظمیٰ خمینی سے نجف میں میں نے گفتگو کی تو آپ فتوائے مشہور کو قبول کرتے تھے!! میں نے کہا: پہلی بات تو یہ ہے کہ فرزند رضاعی کے کوئی معنی نہیں ہیں کیونکہ حرمت رضاعی صرف شادی کے دائرے میں ہے اور کیا باپ اور رضاعی بیٹے کے

درمیان شادی ممکن ہے کہ بیٹا حرمت رضاعی رکھتا ہو!!! اور پھر "وَحَلَّلْنَا أَبْنَانَكُمْ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ" نے حرمت ازدواج کو صلبی اور اصلی بیٹوں کی بیویوں سے مخصوص جانا ہے جس کے نتیجہ میں ایسے بیٹے اور منہ بولے بیٹے اس حکم سے خارج ہیں اور اگر بالفرض محال رضاعی بیٹوں کا وجود ہو تو ان کی بیویوں سے شادی حرام نہیں ہے۔ آپ نے چند مختصر جملے کہنے کے بعد کہا: فتوائے مشہور محترم اور قابل قبول ہے باوجودیکہ بر خلاف آیت ہے اور کوئی روایت بھی نہیں ہے جو اس کی تائید کرے آخر کار ہم اجماع و شہرت میں مبتلا ہیں۔

میں نے کہا: کل ملا کر موافق نص قرآن اور بر خلاف فتاوائے دیگران حدیث شیر خوارگی رضاعی ماؤں اور بہنوں میں منحصر ہے۔

سنت پیغمبر اور سیرت ائمہ معصومین کے مطابق اطاعت واجب ہونے کے باب میں مرحوم آیتہ اللہ العظمیٰ خوئی سے گفتگو کی کہ کتاب کے اشارہ اور سنت کی تصریح کی رو سے غسل جمعہ قطعاً واجب ہے پس کیوں اس حکم میں فقہاء کا اجماع اور شہرت استحباب پر ہے؟! فرمایا: ہم اجماع اور شہرت میں گرفتار ہیں! میں نے کہا: یہ گرفتاری کتاب و سنت کے خلاف ہے۔

زیتون و رمان (انار) کی زکات کے بارے میں بھی کہ سورہ انعام کی آیت ۱۳۱ میں اموال زکاتی کے مورد میں آیا ہے، بدلیل "وَعَاثُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ" مرحوم آیتہ اللہ العظمیٰ خوئی سے میں نے کہا: اس رو سے زکات نو چیزوں سے زیادہ میں واجب ہونی چاہئے۔ فرمایا: یہ آیت مکی ہے اور زکات مدنی حکم ہے۔ میں نے کہا: زکات کے بارے میں مکی و مدنی تیس آیتوں میں سولہ آیتیں مکی ہیں۔ فرمایا: یہ فقہ جدید ہے! میں نے کہا: یہ فقہ قرآن ہے اور آپ کے فقہ سے زیادہ قدیم ہے۔

مرحوم آیتہ اللہ العظمیٰ میرزا مہدی آشتیانی سے آیت "وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ" کے بارے میں گفتگو کی، فرمایا: یہ تسبیح تکوینی ہے، یعنی وجود اشیاء میں درست غور و فکر ہمیں وجود خدا کی طرف رہنمائی کرتی ہے، میں نے کہا: تسبیح تکوینی تمام مکلفین کے لئے قابل فہم تھی اور اس کا حکم ہوا ہے جیسے "قُلْ أَنْظَرُوا مَاذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ" اور اسی طرح دوسری آیات میں جیسے "أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ" آسمانوں اور زمین کی حقیقت وجودی میں غور و فکر اور تامل نہ کرنا کہ ذاتاً محتاج مطلق اور فقر محض ہیں۔ مورد توییح واقع ہوا ہے اس بنا پر آیت "وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ" میں صرف تسبیح تکوینی نہیں ہے، کیونکہ خداوند عالم اس کے آگے فرماتا ہے "وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ"

تَشْبِيحُهُمْ" لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھنے سے قاصر ہو" اور یہ آپ کا جواب ہے کیونکہ خداوند عالم ہرگز مکلفین کو کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتا جس کا نتیجہ لا تقفہون (تم نہیں سمجھتے ہو) ہو لہذا آیت کے معنی میں دقت کرنے سے یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ تمام اشیاء جمادات ہوں کہ نباتات یا پھر حیوانات تسبیح تکوینی کے علاوہ ہر ایک اپنی مخصوص زبان میں آگاہانہ اور اپنے اختیار سے خدا کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ لیکن ہم اس کی تسبیح کی کیفیت سے ناواقف ہیں۔ آپ نے آخر کار میرے نظریہ کو قبول کر لیا۔

مرحوم آیتہ اللہ سید ابو الحسن رفیعی قزوینی سے روح کے تجرد اور عدم تجرد کے بارے میں گفتگو ہوئی؛ میں نے کہا: باوجودیکہ سارے ادلہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تجرد، خدا سے مخصوص ہے اور اس کی ذات میں منحصر ہے تو پھر فلاسفہ نے "قُلِ الرَّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" کی آیت سے تجرد روح کے لئے اس طرح کیوں تمسک کیا ہے کہ روح عالم امر سے ہے اور امر ایجات، مجردات سے عبارت ہے!!! جبکہ "امر" لغت میں کسی کام یا چیز کے فرمان اور حکم کے معنی میں ہے اور آیت "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ" بھی خلقت عرش کے بعد آئی ہے جو آفرینش اور تدبیر کے معنی ہے، پس "الخلق" کل آفرینش اور "الامر" تدبیر مخلوقات کے کل کام سے متعلق ہے، جیسا کہ آیت "كُلُّ شَيْءٍ خَلْقُهُ بِقَدْرِ" نے خلق اور آفرینش کو تمام اشیاء سے مربوط جانا ہے، لہذا مادیات کی خلقت سے مخصوص نہیں ہے تھوڑی سی گفتگو کے بعد فرمایا: ہاں اس طرح قرآن سے استدلال تفسیر بالرای ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے پاس سے ایسے دلائل سے جو انہیں قانع کر رہے ہیں تجرد روح کا عقیدہ رکھتے ہیں تو پھر اس عقیدہ کو قرآن پر کیوں حمل کرتے ہیں!!

خلاصہ، ان مباحثات اور نظریات سے صرف نظر اگر قرآن اسلامی علوم کا اصلی محور ہو! بہت سارے حوزوی نظریات مخدوش ہیں۔ اسلامی علوم پر یہ ایک سب سے بڑا اعتراض ہے کہ یا ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے یا پھر قرآن مخالف ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر کبھی اکثر حوزوی محافل میں ایک صحیح نظریہ دقیق تحقیق کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں سامنے آئے تو چونکہ مشہور کے خلاف ہے تو شائع شدہ کتب میں یا اعلان فتوا کے وقت رسالہ عملیہ میں اس کی شکل بدل جاتی ہے۔ منجملہ مرحوم آیتہ اللہ العظمیٰ مرعشی نجفی سے اس بارے میں کہ دخانیات مبطل روزہ ہیں یا نہیں ایک ملاقات میں فرمایا: بدلیل حدیث موثق دھواں مبطل روزہ نہیں ہے، میں نے کہا: اول بدلیل قرآن جو صرف کھانے، پینے اور مباشرت کو مبطل روزہ جانتا ہے اور اس کے بعد بدلیل روایت - البتہ قرآن کی رو سے استعمال دخانیات قطعاً حرام ہے لیکن مبطل روزہ نہیں ہے۔ اس کے بعد میں نے سوال کیا: کیا آپ نے رسالہ عملیہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے؟ فرمایا: لوگوں

کا لحاظ کرتے ہوئے نہیں لکھا ہے، بلکہ رسالہ عملیہ میں اس کو بھی مبطلات روزہ سے شمار کیا ہے!

جو کچھ تحریر کیا ہے وہ عالمی سطح پر قرآنی تحریک کی توسیع کے لئے مؤلف کی مسلسل تلاش و کوشش کا ایک مختصر نمونہ ہے۔ البتہ یہ تمام یادیں اور حالات زندگی شرح و بسط کے ساتھ ۸۰۰ / صفحات پر مشتمل آمادہ و تنظیم ہو رہے ہیں جو انشاء اللہ منظر عام پر آئیں گے۔

اس دن کے انتظار میں جب منتظرین منتظر کے قیام سے معارف قرآن عالمی اور جہانگیر ہوں گے۔

قم - محمد صادق تہرانی - ۱۵ خرداد ۱۳۸۳ ھ ش

جامعۃ علوم القرآن / "واحد تبلیغات"

قم - بلوار امین، کوچہ ۲۱، پلاک ۷، کد پستی: ۳۷۱۳۹

ٹیلیفون: ۲۹۳۳۳۲۵؛ فیکس نمبر: ۱ - ۲۹۳۵۳۸۰

تألیفات حضرت آية الله العظمى صادق تهرانى رحمة الله عليه

عربی:

۱- الفرقان فى تفسير القرآن بالقرآن و السنة " ۳۰ مجلداً"

۳۱- التفسير الموضوعى بين الكتاب و السنة " ۲۲ مجلداً"

۵۳- الفقه المقارن بين الكتاب و السنة " ۸ مجلدات"

۶۱- عقائدنا

۶۲- المقارنات

۶۳- رسول الاسلام فى الكتب السماوية

۶۴- حوار بين الالهيين و الماديين

۶۵- على و الحاكمون

۶۶- على شاطئ الجمعة

۶۷- فتياتنا

۶۸- اين "الكراسة"

۶۹- مقارنات فقهية

۷۰- تاريخ الفكر و الحضارة

۷۱- لماذا نصلى و متى نقصر من الصلاة

۷۲- لماذا انتصرت اسرائيل و متى تنهزم

۷۳- حوار بين اهل الجنة و النار

۷۴- المناظرات

۷۵- المسافرون

- ۷۶۔ تبصرة الفقهاء بين الكتاب و السنة
- ۷۷۔ تبصرة الوسيلة بين الكتاب و السنة
- ۷۸۔ اصول الاستنباط بين الكتاب و السنة
- ۷۹۔ غوص في البحار في الكتاب و السنة
- ۸۰۔ الفقهاء بين الكتاب و السنة
- ۸۱۔ شذرات الوسائل و الوافي "مخطوط"
- ۸۲۔ البلاغ في تفسير القرآن بالقرآن
- ۸۳۔ غوص في البحار "خطی"

فارسی:

- ۸۳۔ بشارات عہدین
- ۸۵۔ ستارگان از دیدگاه قرآن
- ۸۶۔ اسرار، مناسک و ادلہ حج
- ۸۷۔ انقلاب اسلامی ۱۹۲۰ عراق
- ۸۸۔ آفریدگار و آفریدہ
- ۸۹۔ دعابای قرآنی "خطی"
- ۹۰۔ حکومت قرآن
- ۹۱۔ حکومت مہدی {علیہ السلام}
- ۹۱۔ آیات رحمانی
- ۹۳۔ گفت و گوئی در مسجد النبی
- ۹۳۔ مسیح {علیہ السلام} از نظر قرآن و انجیل

- ۹۵۔ خاتم پیامبران
- ۹۶۔ سپاہ نگهبانان اسلام
- ۹۷۔ مفت خواران
- ۹۸۔ قرآن و نظام آموزشی حوزہ "جزوہ"
- ۹۹۔ قضاوت از دیدگاه کتاب و سنت
- ۱۰۰۔ حکومت صالحان یا ولایت فقیہان "خطی"
- ۱۰۱۔ ماتریالیسم و متافیزیک
- ۱۰۲۔ مفسدین فی الارض
- ۱۰۳۔ نماز جمعہ
- ۱۰۳۔ نماز مسافر با وسائل امروزی
- ۱۰۵۔ پیروزی اسرائیل چرا و شکست آن کی؟
- ۱۰۶۔ برخورد دو جہان بینی
- ۱۰۷۔ حقوق زنان از دیدگاه قرآن و سنت
- ۱۰۸۔ رسالہ توضیح السائل نوین {تالیف سال ۱۳۶۸}
- ۱۰۹۔ فقہ گویا
- ۱۱۰۔ مسافران {نگرشی جدید بر نماز و روزہ مسافر}
- ۱۱۱۔ توضیح المسائل نوین {تالیف سال ۱۳۷۳}
- ۱۱۲۔ ترجمان قرآن {ترجمہ و تفسیر فارسی مختصر قرآن}
- ۱۱۳۔ تفسیر فارسی پنج جلدی

امید فردا پریس سے چھپنے والی کتابیں

قتل ہائے سیاسی و تاریخی سی قرن ایران {ایران میں تیس سال کے عرصہ میں
سیاسی اور تاریخی قتل}

{دورہ دوم- جلد اول}

۱۳۳۲ ھ ش سے ۱۳۵۹ ھ ش تک

مؤلف : جعفر مہدی نیا

اس کتاب میں مؤلف ۱۳۳۲ ھ ش سے ۱۳۵۹ ھ ش تک ایران میں ہونے والے
سیاسی قتل کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں۔

ورق پارہائے سیاسی {چار جلد}

ایران کی گذشتہ نشریات سے تاریخی و سیاسی چند مطالب

مؤلف : داود علی بابائی

اس مجموعہ میں جو مطالب اور مقالات آئے ہیں وہ ۱۳۲۱ ھ ش کے بعد کے سالوں
میں مختلف نشریات سے انتخاب ہوئے ہیں۔ جو مطالب کہ زیادہ تر سیاسی اور تاریخی پہلو
کے حامل ہیں واقعت و حقیقت سے نزدیک ہیں اور ان کے کم نظیر اور کمیاب واقع ہوئی
ہے اور دورہ پہلوی میں ایران کے سیاسی، اجتماعی اور تاریخی اتفاق کو نمایاں کرتے
ہیں۔

بزرگان چہ گفتند؟

بزرگان نے کیا کہا؟

مؤلف : حبیب اللہ شاملوئی

اس کتاب میں بزرگوں اور دانشوروں کے مختصر اور چھوٹے چھوٹے جملے اور ان کے مختصر حالات زندگی بیان ہوئے ہیں۔

شہید جاوید { امام حسین کے فلسفہ قیام کے بارے میں }

مؤلف : آیت اللہ صالحی نجف آبادی

یہ کتاب درج ذیل خصوصیات کی حامل ہے :

الف : اس کتاب میں مؤلف نے قیام امام حسین { علیہ السلام } کے فلسفہ کو علمی، منطقی اور استدلالی طور پر تاریخ سے اپنی وافر اطلاعات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

ب : ہر مطلب سے متعلق منابع، ماخذ و مراجع ہر صفحہ کے حاشیہ اور کتاب کے آخر میں بیان ہوئے ہیں۔

ج : اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے فلسفہ قیام حسینی کا ابہام قاری اور محقق کے ذہن سے ختم ہو جاتا ہے۔

د : ابتدائے کتاب میں اہل علم اور روشن فکروں کی تقریظات ہیں جو انہوں نے کتاب مذکور کے مؤلف کے لئے لکھی ہیں۔

ہ : کتاب کے آخری صفحات میں مؤلف نے کتاب شہید جاوید کے مخالفین کے نظریات کو رد اور ان پر نقد و تبصرہ کیا ہے۔

نوٹ : یہ کتاب سولہ ۱۶ / مرتبہ چھپ چکی ہے۔

عصائے موسیٰ یا نقدی بر نقدیا

مؤلف : آیت اللہ صالحی نجف آبادی

اس کتاب میں مؤلف نے آیت اللہ رفیعی قزوینی، استاد علامہ طباطبائی اور آیت اللہ صافی گلپائگانی کے بعض مسائل میں شبہات کا جواب دیا ہے۔

پژوہشی جدید در چند مبحث فقہی

{چند فقہی مسائل میں جدید تحقیق}

مؤلف : آیۃ اللہ صالحی نجف آبادی

یہ کتاب پانچ فصل پر مشتمل ہے۔

۱۔ طہارت و نجاست کے بارے میں ایک اجتہادی بحث۔

۲۔ اجتہاد مسدود اور اجتہاد باز کی بحث۔

۳۔ اخبار گُر کے بارے میں۔

۴۔ اصلاح حوزہ کے حوالے سے چند باتیں۔

۵۔ طہارت کافر۔

یہ کتاب درج ذیل مشخصات پر مبنی ہے :

الف : اس کتاب میں مؤلف نے تشریحی و استدلالی صورت میں موضوعات کا جائزہ

لیا ہے۔

ب : ہر صفحہ کے حاشیہ اور کتاب کے آخر میں منابع اور مآخذ اور اسناد و مراجع

کا ذکر ہے۔

ج : اس کتاب کے موضوعات میں مؤلف نے تازہ روش سے سنتی فقہ کو رد کیا ہے

اور منصفانہ و عالمانہ اور روشن فکرانہ مسائل و قضایا کی تحقیق کی ہے،

د : فصل "طہارت کافر" کے مطالعہ سے کمیونسٹی ممالک میں مقیم ایرانی

مسلمانوں کی مشکلات حل ہو گئیں ہیں۔

سید ضیاء الدین طباطبائی کی سیاسی زندگی

مؤلف : جعفر مہدی نیا

اس کتاب میں مؤلف نے ۱۲۹۹ھ ش کے حوادث اور سید ضیاء الدین کی ہم فکری سے رضا شاہ کے بروئے کار آنے کی کیفیت کا جائزہ لیا ہے اور روز نامہ رعد کے مدیر کی سیاسی و اجتماعی زندگی اور ان حوادث کا جائزہ لیا ہے جو اس کے وزیر اعظم بننے کے بعد سے آخر تک ایران میں رونما ہوئے ہیں۔

ورق پارہائے خواندنی {چار جلد}

ملک کے گذشتہ نشریات سے اجتماعی، ثقافتی اور پڑھنے کے لائق مطالب

مؤلف : داود علی بابائی

اس کتاب کے مطابق ۱۳۲۱ھ ش کے بعد کے برسوں کے مختلف نشریات سے منتخب ہیں۔

قرآنی قصہ {جلد اول}

مؤلف : داود علی بابائی

مؤلف نے اس کتاب میں قرآنی قصوں کو سادہ و رواں اور سلیس فارسی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ مسلمانوں اور جوانوں کا ہر طبقہ اس سے بھرپور استفادہ کر سکے۔

رسالہ توضیح المسائل نوین

مؤلف : آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادق تہرانی

یہ رسالہ درج ذیل مشخصات اور خصوصیات کا حامل ہے :

الف : اس کے فتاویٰ فقہ قرآنی کے مبنی پر صادر ہوئے ہیں۔

ب : اس کے اکثر مسائل دیگر علماء کے رسالوں سے مختلف اور جدا گانہ ہیں۔

ج : اس کے فتاویٰ زمان و مکان کا لحاظ کرتے ہوئے صادر ہوئے ہیں۔

د : اس کے فتاویٰ تشریحی و استدلالی صورت میں بیان ہوئے ہیں۔

ہ : اس میں فتاویٰ کے منابع و مآخذ قید اور ذکر کئے گئے ہیں۔

نگرشی جدید بر نماز و روزہ مسافران

{مسافروں کے نماز و روزہ پر ایک جدید نظر}

مؤلف : آیۃ اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادق تهرانی

اس کتاب میں مؤلف قرآن و احادیث سے استناد کرتے ہوئے کچھ خاص موارد میں نماز و روزہ کے قصر کی حرمت کو بیان کرتے ہیں اور ان کا یہ نظریہ ان علماء کے نظریات کے برخلاف ہے جو فقہ سنتی کے پیرو ہیں۔

ستارگان از دیدگاه قرآن

{ستارے قرآن کی نظر سے}

مؤلف : آیۃ اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادق تهرانی

اس کتاب میں مؤلف علوم قرآنی اور مسائل علمی و نجومی سے اپنی وافر معلومات کے ذریعہ زمین و آسمان اور ستاروں سے مربوط آیات کی تحقیق فرماتے ہیں۔

فرہنگ جامع زمین شناسی

مؤلف : بامداد شاملو

تخت فولاد {روشن فکر عالم محمد باقر درچئی کے نظریات اور ان کا مقام و

مرتبہ}

مؤلف : داود علی بابائی

تاریخچہ انقلاب جہان {جلد اول}

عثمانی اور فرانس کا انقلاب

مؤلف : حبیب اللہ شاملوئی

مجموعہ شعر غروب زندان

شاعر: حبیب اللہ شاملوئی

مجموعہ شعر، ایک مرثیہ برائے آزادی

شاعر : داود علی بابائی

مجموعہ شعر، کاش می فہمیدی

شاعر : داود علی بابائی

مجموعہ داستان معلم و مہاجر

مؤلف : داود علی بابائی

زندگی سیاسی ابراہیم حکیمی {حکیم الملک}

مؤلف : جعفر مہدی نیا

ہزار و یک راز خانہ داری

مؤلف : فاطمہ ناصری علی آبادی

ولایت فقیہ، حکومت صالحان

مؤلف : آیتہ اللہ العظمیٰ صالحی نجف آبادی

مجموعہ داستان انتقادی و اجتماعی شہردار صنفی

مؤلف : داود علی بابائی

دو خاطرہ از زندان

{قید خانہ کی دو یادیں}

۱۔ داستان یک اعتراف {ایک اعتراف کی داستان} فریاد بہبہانی

۲۔ در مہمانی حاجی آقا {حبیب اللہ داوران}

بیست و پنج سال در ایران چہ گذشت؟ {از بازرگان تا خاتمی}

{۲۵ برس میں ایران میں کیا ہوا} {بازرگان سے لے کر خاتمی تک}

جلد اول : ۱۹ دی ماہ ۵۶ سے ۱۵ بہمن ۵۸ تک

مؤلف : داود علی بابائی

مؤلف نے اس کتاب میں ایران کے سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، ثقافتی اور تاریخی حوادث کا ۱۹ دی ۵۶ سے ۱۵ بہمن ۱۳۵۸ تک کا جائزہ لیا ہے بازرگان کی حکومت کے

کاموں کا جائزہ لیا ہے اور اس مجموعہ کی فراہمی میں نادر و کمیاب منابع اور متعدد عکس سے فائدہ اٹھایا ہے۔

بیست و پنج سال در ایران چه گذشت؟ {از بازرگان تا خاتمی}
جلد دوم، سوم و چہارم: از بنی صدر تا شورای موقت ریاست جمہوری
مؤلف: داود علی بابائی

گفتہ های میرزادہ ی عشقی و جامعہ ی کنونی ایران
مؤلف: داود علی بابائی

ہفت کتاب نیما یوشیج

ظہور نازیسم اور استیلاء ہٹلر
{نازیوں کا ظہور اور ہٹلر کا غلبہ}
مؤلف: مظفر ملک

مجموعہ آثار صادق ہدایت با نقد و بررسی
جلد اول: وغ وغ ساہاب
جلد دوم: حاجی آقا - سگ ولگرد
جلد چہارم: بوف کور - سایہ و روشن
بکوشش و اہتمام: داود علی بابائی

پشت پردہ جنگ خلیج فارس

مؤلف : جان پیگلر – مترجم : ایوب باقر زاده

معمائے اشغال سفارت امریکا در ایران

مؤلف : جعفر مہدی نیا

پرواز غازبا {رمان سیاسی و اجتماعی}

مؤلف : علی قوی تن

فقہ گویا

مؤلف : آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادق تہرانی

مفت خواران

مؤلف : آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادق تہرانی

انتشارات امید فردا

مستقبل قریب میں شائع ہونے والی کتابیں

تاریخچہ انقلابات جہان {جلد دوم}

مؤلف : حبیب اللہ شاملوئی

مدینہ فاضلہ سیاسی، اقتصادی و اجتماعی "معمر القذافی"

مؤلف : داود علی بابائی

نقدی بر دین پڑوبی فلسفہ معاصر

مؤلف : آیۃ اللہ ڈاکٹر محمد صادق تہرانی

مجموعہ آثار جلال آل احمد {جلد ۹}

بہ کوشش: داود علی بابائی

جامعہ ، فرہنگ و سیاست در مقالات و اشعار سہ شاعر انقلابی

{میر زادہ عشقی – ایرج میرزا – فرخی یزدی}

مؤلف : داود علی بابائی

جامعہ ، فرہنگ و سیاست در اشعار سعد اشرف الدین گیلانی {نسیم شمال}

مؤلف : داود علی بابائی

مفت خور کتاب و سنت کی روشنی میں

www.OlumQuran.com

قضاوت در فقہ اسلامی و چند مقالہ دیگر

مؤلف : آیت اللہ صالحی نجف آبادی